ماہنامہ

قندیلِ ادب

اپریل ۲۰۱۳

مدیر: رانا عبدالرزاق خان

rana_razzaq@hotmail.com

07886304637

معاون مدیر و ڈیزائنر: عامر امیر

majeedamer20@yahoo.com

07903126126

نگران ویب سائٹ: ایاز احمد راٹھور

marzplanet2000@yahoo.de

ماہنامہ قندیلِ اَدب اپریل ۲۰۱۳

فہرست مضامین

۱۔سوانح عمری لکھنے کے تقاضے	عاصی صحرائی
۲۔چودھری رحمت علی اور جموں وکشمیر	ایاز راٹھور
۳۔وطن عزیز کے باسیو! میں پاکستان ہوں۔	رانا عبدالرزاق خاں
۴۔زبان ایک عظیم نعمت	ابن لطیف
۵.اردو کی شائع ہونے والی پہلی کتاب	عامر امیر
۶۔قرآن کریم اور بیسویں صدی	عبدالمجید ظفر
غزل	بہادر شاہ ظفر
غزل	محسن نقوی
غزل	ایوب اولیاء
غزل	عبدالمجید سالک
غزل	پروین شاکر
غزل	فاخرہ بتول
غزل	خالد ملک ساحل
غزل	ثاقب زیروی
غزل	فرحت عباس شاہ
غزل	منیر نیازی
غزل	ناصر کاظمی
غزل	جمیل الرحمٰن
غزل	ضیاء اللہ مبشر
غزل	عامر امیر
غزل	ڈاکٹر رضیہ اسمٰعیل
غزل	عاصی صحرائی
غزل	انور ندیم علوی
غزل	محمد اسحٰق
غزل	انجم شہزاد لندن
غزل	نزہت انجم

جستہ جستہ، اُداسی، زندگی، تلقین، دوستی انمول رشتہ، اظہارِ تشکر، وزن، لطائف تبصرہ کتب آدم چغتائی کی کتاب جستجوئے جمال پر تبصرہ۔سہیل احمد لون کی کتاب خواب آنکھوں میں ٹوٹ جاتے ہیں۔جلاوطن، سہیل لون کی کتاب سے تجزیاتی نسخے، زاہد

فخری، امیر الاسلام ہاشمی، عبیر ابوذری کا مزاحیہ کلام
ایک شعری نشست

گزارش۔ ہماری حوصلہ افزائی کی خاطر شاعر اور ادیب و دیگر دوست ویب سائٹ پر جائیں اس میگزین کو خود پڑھیں اور اپنے دوستوں کو بھی بتائیں اور تبصرہ بھی کریں اگر کسی شاعر یا ادیب کی کوئی تحریر پسند ہو تو کچھ لکھ کر بھی ارسال کریں ہم ضرور شائع کریں گے۔ادارہ

سوانح عُمری لکھنے کے تقاضے

عاصی صحرائی

بیانِ شوق چہ حاجت کہ حال آتشِ دل
تواں شناخت زسوزیکہ در سخن باشد

ہم جس دنیا یا کائنات میں رہتے ہیں وہ مختلف سانحات اور واقعات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جسے ایجازاً کیا تفصیلاً بھی بیان کرنا ہمارے اختیار سے باہر ہے۔ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں ہی روز مرّہ کیا ہر ساعت کیا ہر منٹ اور سیکنڈ ایسے ایسے واقعات گزر جاتے ہیں جو اپنی دلچسپی دلآویزی اور ندرت کی وجہ سے اُس کائنات کے لئے جو کچھ بھی شعور وفہم و فراست رکھتی ہے صدہا نکات اور ہزاروں عبرتوں کا مجموعہ ہوتے ہیں۔شب و روز اگرچہ ہمارے مشاہدہ میں ایسے واقعات اور سانحات آتے رہتے ہیں لیکن ہم میں سے بہت تھوڑے ہیں جو انہیں ضمیری مشاہدہ اور عبرت کی نگاہوں سے دیکھنے کے عادی ہوں یا اُن کے دلوں پر ان کا کوئی اثر پڑتا ہو۔ہم اکثر سرسری رنگ میں سانحات اور واقعات کا مشاہدہ یا مطالعہ کرنے کے عادی ہیں وہ لاپروائی اور وہ غفلت جو ہماری زندگی کا رفتہ رفتہ لازمہ ہوتی جاتی ہے ہمیں بسا اوقات ان سانحات اور واقعات سے محض خالی اور کورا واپس لے جاتی ہے۔جو ہماری زندگی کے واسطے ایک قیمتی سبق ہوتے ہیں۔بعض وقت ہم کہا کرتے ہیں کہ ایسی غفلت نہ ہوتی تو ہماری چھپتی دنیا کا کام ہی نہ چلتا شائد یہ کسی حد تک درست بھی ہو مگر یوں کہا جاوے تو زیادہ تر درست ہوگا کہ ان حالات میں ہماری زندگیوں کی داغ بیل کی روش کچھ اور ہی ہوتی۔انسان میں یہ طبعی اور فطرتی خاصہ ہے کہ وہ مختلف مشاہدات میں سے ایک حد تک انتخاب کرنے کا عادی ہے۔اور اکثر اوقات نظائر اور تماثیل سے اُس کا دل اور دماغ بہت کچھ حاصل

کرتا ہے اسی خیال سے وہ چیدہ چیدہ مشاہدات کے جمع کرنے کا عادی ہے۔ تاریخ اور تذکرات کی یہیں سے بنیاد پڑی ہے جب عام طور پر بعض واقعات کا بیان ہوتا ہے تو ایک تاریخ یا تذکرہ ہوتا ہے تحریر ہی اس کی حامل نہیں ہوتی حافظہ بھی بہت کچھ محفوظ رکھتا ہے سوانح عمریوں کی بنیاد بھی یہی ہے۔ لوگ عموماً اس امر کے مشتاق ہوتے ہیں کہ وہ اپنے ہی ابنائے جنس کی زندگی کے حالات سے واقفیت پیدا کریں اور دیکھیں کہ ان کی زندگیوں اور دوسروں کی زندگیوں میں کیا کچھ فرق ہے۔ اسی لئے اور اسی شوق میں ہر ایک اور ہر قوم میں صدہا سوانح عمریاں لکھی گئیں کچھ دوسروں نے لکھیں اور کچھ خود ہی لکھنے والے لکھ گئے۔ ہر سوانح عمری ایک خاص شخص کی زندگی اور رفتار زندگی کا ایک فوٹو ہوتا ہے ممکن ہے کہ اس فوٹو کے کھینچنے یا کھنچانے میں کوئی نقص رہ گیا ہو اور اس وجہ سے اس پر نکتہ چینی ہو سکتی ہو۔ لیکن باوجود اس کے بھی اگر کوئی سوانح عمری نیک نیتی اور احتیاط سے لکھی گئی ہے تو اس سے دوسرے ابنائے جنس اخذ اور ترک کے سلسلہ یا شکل میں بہت کچھ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں بعض لوگ سوانح عمریوں کو پڑھنے سے اس لئے بھی دل چراتے ہیں ان کے خیال میں سوانح عمری وہی پڑھنے کے قابل ہوتی ہے جو نکتہ چینی کی زد میں نہ آسکتی ہو۔ اُن کے خیالات کے موافق ہو۔ یہ خیالات درست نہیں اختلاف خیالات اور متضاد مذاق ہونے کی وجہ سے کوئی بھی ایسی سوانح عمری نہیں مل سکتی جو سب قسم کے خیالات کا مجموعہ ہو اور جس کو سب لوگ ہی پسند کریں۔ سوانح عمری ایک خاص شخص کے چیدہ واقعات اور رفتار یا افتادِ زندگی کا ذکر ہوتا ہے وہ بجائے خود اس شخص کی زندگی کا ایک ریویو ایک تنقید ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اپنے مطبوعہ اور پرستیدہ خیالات کے ایسے شخص کی زندگی اور زندگی کے کارنامے کیا کچھ کیفیت اور قیمت رکھتے ہیں پڑھنے سے پہلے ہی اپنے پرستیدہ خیالات کے ہجوم میں سے میخ نکالنا ہر تحقیق سے بعید ہے انسانیت کا یہ فرض ہے کہ وہ پوری طمانیت سے حسنات کے اخذ کی کوشش کرے نکتہ چینی کا میدان اس قدر وسیع ہے کہ اس سے انسانی ذات کیا ملکوتی ذات بھی نہیں بچ سکتی جو شخص کسی کی زندگی کا ریویو کرتا ہے وہ دراصل پیش کردہ معلومات کے مطابق ایسی زندگی کے مختلف واقعات، کیفیات اور سانحات سے ایک مجموعی نتیجہ نکالتا ہے یہ جدا بات ہے کہ بعض لوگ اس سے اتفاق نہ کریں لیکن واقعات کے پیش کرنے میں بہت کم اختلاف کی نوبت آتی ہے اس میں کوئی بھی شک و شبہ نہیں کہ انسانوں کے مختلف واقعات ایک ہی خیالات اور تنقید کے تابع نہیں رہ سکتے لیکن ایں ہمہ یہ واقعات اور رفتار زندگی خود ہی ایک فیصلہ کُن فیصلہ ہوتا ہے۔

معشوقہ عیاں مے گزرد بر تو ولیکن

اغیار ہمے بیند ازاں بستہ نقاب است

زندگی یا زندگیاں جن جن خوفناک گردابوں میں سے گزرتیں اور جو طوفان ان کی راہ میں آتے ہیں اور جن جن آزمائشوں اور مشکلات میں ان کا امتحان ہوتا ہے وہ ایسی نہیں ہیں۔ ان کی واجبی قیمت نہ لگائی جائے اگر کوئی زندگی کسی حد تک ایسے تلاطم سے محفوظ گزر گئی ہے تو وہ واقعی تعریف اور حوصلہ افزائی کے قابل ہے جن لوگوں نے زندگی کے گردابوں اور تلاطموں کا خوفناک سماں دیکھا ہے وہ کہہ سکتے ہیں کہ ساحل مقصود پر پہنچنا کس قدر مشکل ہے۔

شبِ تاریک و بیمِ موج و گرداب چنیں حائل

کجا دانند حالِ ماسبکسارانِ ساحل ہا

وہ لوگ جو زندگی کی ایسی مشکلات کا شعور اور احساس نہیں رکھتے وہ دراصل زندگی کی مشکلات سے واقف نہیں ہیں اور صرف نام کے انسان ہیں ورنہ ان میں انسانیت اور انسانی فطرت بوجوہ مردہ ہو رہی ہے۔ وہ زندہ نہیں بلکہ مردہ ہیں۔

خیل زلف تو گفتن نہ کار خاماں است

کہ زیر سلسلہ رفتن طریق عیاری است

وہ زندگیاں جو مشروط انسانیت اور قواعد فطرت کے ماتحت گزرتی ہیں وہ زندگیاں جو اپنی راہ میں چپہ چپہ پُر خار ہی نہیں بلکہ خارستان پاتی ہیں جو پھونک کر قدم رکھنا زندگی کا پہلا اصول خیال کرتی ہیں ان کا صحیح و سالم اور مامون رہنا بہت ہی قیمت رکھتا ہے اگر ہم فرائض کے ساتھ ساتھ تدیّن اور حزم و احتیاط بھی رکھنے کے عادی ہیں تو ہماری زندگیوں میں ضرور فرق ہونا چاہیئے ایک طرف ہمارے سامنے ہمارے اردگرد لاکھوں قسم کی تحریکات کا ہجوم ہے اور دوسری طرف ہم سے یہ عہد و پیمان لیا جاتا ہے کہ ہمارا پاؤں نہ پھسلے اور ہم لغزش نہ کھائیں۔

درمیاں قعرِ دریا تختہ بندم کردہء

باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

جو لوگ یہ ذمہ داری سمجھتے اور لوگ عہد و پیمان نبھانے والے ہیں وہی جانتے ہیں کہ اس گرد و غبار اور ان تحریکات میں صحیح و سالم نکلنا کیسا مشکل ہے۔

بآستاں تو مشکل تواں رسید آرے

عروج بر فلک سروری بدشواری است

لوگ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں صرف زندہ رہنا ہی زندگی ہے بول چال پھرنا چلنا اُٹھنا بیٹھنا ہی انسانیت اور زندگی کا بڑا کارنامہ ہے۔ ایک دوسرے سے لڑائی، شیخی، تکبر و رعونت ہی سامانِ زندگی ہے نہیں نہیں زندگی ہاں سچی زندگی کا سماں اور روپ ہی کچھ اور ہے اگر زندگی میٹھی ہے تو ہم سے جانوروں کی زندگیاں سو درجہ اچھی ہیں سانس تو وہ بھی لیتے ہیں ان کی بعض طاقتیں ہم سے کہیں سبک دلچسپ اور بہتر ہیں۔ نہیں نہیں زندگی اس سامان کا نام نہیں وہ کچھ اور ہی ہے اُسے صدہا میں سے کوئی ایک آدھ ہی حاصل کرتا ہے اور وہ بھی بصد مشکل اور فضل باری سے زندگی صادقہ یا حیاتِ نوری کی راہوں سے کوئی خاص بندے ہی سلامت جاتے ہیں۔

جمال شخص نہ چشم است نہ زلف و عارض و خال

ہزار نکتہ دریں کاروبار دلداری است

ایسی زندگیاں جوان مشکلات اوران خوفناک یورشوں سے کسی حد تک بھی صحیح وسالم اپنے تئیں لے نکلتی ہیں۔ وہ اور ابنائے جنس کے واسطے ایک فخر اور پاک نمونہ ہوتی ہیں ایسا نمونہ جس پر اور زندگیوں کی رفتار رفتہ رفتہ اُسی راہ پر آسکتی ہے زندگیوں پر ریویو کرتے ہوئے وہ خیالات دماغ سے نکالنے ہی پڑیں گے جو بعض وجوہ سے پہلے سے متموج ہورہے ہیں کیونکہ ریویو میں پرستیدہ خیالات دُور ہی رہنے چاہیئے۔ اگر پہلے خیالات کی پابندی سے ہم کسی زندگی اوراس کے واقعات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم اپنے تئیں ایک فریب دِہ راہ پہ ڈالتے ہیں اس صورت میں زندگیوں اور ان کے مختلف واقعات سے جو سبق ہمیں لینے چاہیئے ان کی نوبت نہیں آتی یہ تمام باتیں ایسی ضروری ہیں جنہیں ہمیں سوانح عمریوں پر ریویو کرنیکے وقت یاد رکھنا چاہیئے۔

چودھری رحمت علی اور جموں وکشمیر

ایاز راٹھور

تحریک پاکستان کے اولین جرنیل خالق لفظ پاکستان چودھری رحمت علی نے کب برِّصغیر کے مسلمانوں کے لئے ایک علیٰحدہ خودمختار عظیم تر ریاست کا نقشہ بنایا تواس کا نام پاکستان رکھا۔ چودھری رحمت علی زمینی حقائق سمجھتے تھے وہ کشمیریوں کی بے بسی اور مشکلات سے بخوبی آگاہ تھے اوران کی جموں وکشمیر پر گہری نگاہ تھی۔ اس لئے انہوں نے ک سے کشمیر پاکستان کا حصہ ظاہر کیا تھا۔ چودھری رحمت علی ایک عرصہ محمد دین فوق کے ''دلشمیر میگزین'' میں وادی جموں وکشمیر کے لوگوں پر ہونے والے مظالم پر آواز بلند کرتے رہے۔ ان کے حق میں لکھتے رہے وہ اپنی تقریر وتحریر کے ذریعےاس دست جفا کش کو بے نقاب کرتے رہے ہیں جس نے روح آزادی کشمیر کو پامال کیا تھا وہ اپنے فردوس بروئے زمیں پر بسنے والے بھائیوں کی مظلومی، مجبوری اور محکومی پر سخت رنجیدہ خاطر رہتے اوران کی آزادی اور بلند بختی کے لئے جدوجہد بھی کرتے رہے۔ خطہء جموں وکشمیر کے دردمندوں کا ہمدرد چودھری رحمت علی سولہ نومبر ۱۸۹۷ء مشرقی پنجاب کے ضلع ہوشیار پور کی تحصیل گڑھ شنکر کے گاؤں ''موہراں'' میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حاجی شاہ محمد چوہدری متوسط زمیندار اور اسلام کے پابند آدمی تھے۔ چودھری رحمت علی نے اپنی ابتدائی تعلیم کے مراحل گھر ہی سے طے کئے اور پرائمری بھی اپنے موضع ''موہراں'' سے پاس کیا''موہراں'' مڈل کا امتحان گورنمنٹ سکول ''راہوں'' سے پاس کیا۔ جبکہ میٹرک گورنمنٹ اینگلوسنسکرت ہائی سکول جالندھر سے امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ آپ مزید تعلیم کے لئے لاہور آگئے۔ چونکہ لاہور تہذیب وتمدن کا گہوارہ، علم و ادب اور سیاسی وسماجی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ یہاں چودھری رحمت علی نے گورنمنٹ اسلامیہ کالج میں داخلہ لے لیا۔ اور ساتھ ساتھ طلباء سیاست میں دلچسپی سے حصہ لینا شروع کر دیا۔ طلباء کے بنیادی مسائل ان کے حقوق کے حصول کے لئے پیش پیش رہتے۔ اپنے آپ کو طالب علم راہنما کی حیثیت سے منوایا۔ کالج کی تعلیم کے دوران کالج کے مجلّہ ''دی کریسنٹ'' کے مدیر بھی رہے۔ بہت جلد لاہور میں کالج ڈیبیٹ یونین کے سیکٹری، ٹیوٹیریل گروپ کے نائب صدر اور سٹوڈنٹ یونین کے صدر بھی رہے۔ اور آپ نے اپنے کالج کے ساتھیوں سے ملکر ۱۹۱۵ء میں ''بزمِ شبلی'' کی بنیاد رکھی۔ اسلامیہ کالج سے بی اے کرنے کے بعد ایچی سن کالج میں لیکچرار شپ چھوڑ کر عملی سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ آپ ہی نے ۱۹۲۶ء کے انتخابات میں سر چودھری شہاب الدین کو اپنے آبائی حلقہ ضلع ہوشیاپور سے پنجاب اسمبلی کا ممبر بنوایا تھا۔ کیونکہ سیالکوٹ کے ڈسکہ کے حلقے میں ان کی پوزیشن چودھری ظفراللہ خاں کے مقابلے میں کمزور تھی۔ اس کے علاوہ آپ نے مختلف اخبارات وجرائد میں لکھنا شروع کر دیا۔ ان کی تحریر نے برِّصغیر کے مسلمانوں کے اندر بیداری اور قومی غیرت کی لہر پیدا کر دی آپ کے مضامین میں ملک وملت کا درد بھرا ہوتا۔ اوران کی ناگفتہ بہ حالت سنوارنے کی تجاویز ہوتیں چودھری رحمت علی اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے اکتوبر ۱۹۳۰ء کو انگلستان آگئے۔ یہاں آکر بھی آپ اپنی قوم سے بھی بے خبر نہیں رہے۔ اور نہ ہی اپنی تعلیم کا حرج ہونے دیا۔ کیونکہ آپ کو بھی جلوہ دانش وفرنگ خیرہ نہ کرسکا۔ آپ نے کیمرج سے بارایٹ لاء اور DUBLIN سے ایم اے کے امتحانات امتیاز سے پاس کئے ۱۹۳۲ء میں آپ نے یہاں ہی لفظ ''پاکستان'' وضع کیا تھا۔ اوراپنے چند ذہین وفطین باکردار ساتھیوں کے ساتھ ملکر ۱۹۳۳ء کو پاکستان نیشنل موومنٹ کی بنیاد رکھی تھی۔ اوراپنا شہرہ آفاق کتابچہ Now or Never شائع کیا تھا۔ چودھری رحمت علی سے معروف ترک ادیبہ مصنفہ خالدہ خانم نے ملاقاتیں بھی کیں تھیں۔ ۱۹۳۷ء اور ۱۹۴۰ء میں آپ پاکستان آئے تھے۔ اپنی تحریک کے کام کو آگے بڑھانے کے لئے اوراپنے مجوزہ وطن کے لئے عام لوگوں کا ذہن ہموار کرنے کے لئے ہفت روزہ جریدہ پاکستان کا اجرا بھی کیا تھا۔ حکیم الامت ڈاکٹر علامہ محمد اقبال (جن کے ساتھ آپ کا تعلق کالج کے ہی زمانے سے قائم ہو گیا تھا اور وہ جب لندن آتے تو چودھری صاحب ان کی میزبانی کرتے) نے اپنا قطعہ چودھری رحمت علی کی نظر کیا تھا۔ چودھری رحمت علی کا علامہ اقبالؒ کے ساتھ عقیدت کا رشتہ تھا۔

نگاہ بلند سخن دلنواز جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرکارواں کے لئے
نشانِ راہ جو دکھاتے تھے ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مرد راہ دان کے لئے

۱۹۴۰ء کو جب آپ کراچی آئے اور پاکستان نیشنل موومنٹ کی سینٹرل کمیٹی کے اجلاس سے خطاب کیا تھا۔ جب قائداعظم محمد علی جناحؒ کو پتہ چلا کہ چوہدری رحمت علی آئے ہوئے ہیں تو قائداعظم نے آپ کو فروری ۱۹۴۰ء کو مختصر خط لکھا کہ ہمیں باہمی ملاقات کے لئے وقت نکالنا ہوگا اور مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن کے لئے تبادلہ خیال کرنا ہوگا

مگر بدقسمتی سے کچھ نادیدہ ہاتھوں نے بانیِ پاکستان اور ’’خالق و نقاشِ پاکستان‘‘ کی ملاقات نہ ہونے دی۔ چوہدری صاحب انگلستان آ گئے۔ یہاں آ کر چوہدری رحمت علی نے برٹش پارلیمنٹری ہندوستان سے آئے ہوئے سیاسی زعماء اور طلباء سے ملاقاتیں کیں اور انہیں اپنے مجوزہ وطن کے بارے میں آگاہ کیا اور مسلمانوں کے ساتھ کی گئی زیادتیوں کو بیان کیا اس کے علاوہ آپ نے انڈیا میں مقیم بااثر خاندانوں کو خط ارسال کرنا شروع کر دیئے اور انہیں پسے ہوئے غریب طبقہ کے لئے اُٹھ کھڑے ہونے کی اپیل کی۔ ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا اور چوہدری صاحب بھی انگلستان سے سب کچھ چھوڑ کر اپنی حسین جنت پاکستان میں آ گئے۔ یہاں جیل روڈ لاہور میں ایک کوٹھی کرایہ پر لے لی۔ یہاں چوہدری صاحب کی رہائش گاہ پر لوگوں کا تانتا بندھا رہتا لوگ پریشان تھے مہاجرین کی آبادی کا مسئلہ تھا۔ ادھر چودھری صاحب اس غیر منصفانہ تقسیم پر ناخوش تھے اس دوران انہوں نے کراچی، لائلپور دیگر علاقوں کے دورے بھی کئے ان کو اتنا اپنے علاقے ہشیار پور کے اُدھر رہ جانے کا دکھ نہیں تھا۔ جتنا انہوں نے جموں و کشمیر کے مسلمانوں کا غم کھایا۔ انہوں نے لاہور میں صحافیوں، طلباء ،وکلاء، سول سوسائٹی اور مہاجرین کے وفود سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ کشمیر کے بغیر پاکستان ’’پاستان‘‘ بن کے رہ جائے گا۔ جس کے معنی ہونگے کی ماضی کا قصہ۔ میں کشمیر کو پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی سمجھتا ہوں کیونکہ ہماری زراعت کشمیر ہی سے نکلنے والے دریاؤں اور نالوں سے سیراب ہوتی ہے۔ پنجاب اور دیگر علاقوں کی خوشحالی اور ہریالی کا انحصار جموں و کشمیر پر ہے۔ جموں و کشمیر میں قائم کارخانوں، شال بافی اور خیمہ دوزی کی صنعتوں نے ہی پاکستان کی معشیت کو سہارا دینا ہے۔ اس خطہ کی تہذیب و تمدن شریف النفس محنت کشوں اور تر دماغ اور تیز دست ہنرمندوں ہی سے متاثر ہو کر اہل نظر نے اس کو ایرانِ صغیر سے تعبیر کیا تھا اگر ہم نے جموں و کشمیر کو آزاد کروانے کی جدوجہد نہ کی تو اس کا استحصال کبھی نہ رکے گا ہمیں اب پھر NOW OR NEVER کی بنیاد پر کام کرنا ہوگا۔ چوہدری رحمت علی نے اقوامِ متحدہ کو اور پاکستان کے لیڈروں کو اپنی خدمات پیش کیں۔ کہ وہ بہت جلد کشمیر کے مسئلے کو حل کروا سکتے ہیں ہمارے سیاسی رہنما چوہدری رحمت علی جیسے بہادر، مدبر، دیانت دار اور دُور اندیش انسان سے کوئی راہنمائی لیتے بلکہ اُلٹا خفیہ پولیس کو ان کے پیچھے لگوا دیا۔ ان کو تنگ کرتے رہے آپ کی کڑی نگرانی ہونے لگی جہاں جاتے خفیہ والے سائے کی طرح پیچھے لگے رہتے۔ بالآخر آپ دل برداشتہ ہو کر دوبارہ انگلستان آ گئے۔ ۳ فروری ۱۹۵۱ء کو یہ عظیم آدمی مسلمانوں کا مخلص راہنما مختصر علالت کے بعد اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا اور کیمبرج کے نیو مارکیٹ روڈ قبرستان کی قبر نمبر ۸۳۳۰ بی کیمبرج میں امانتاً دفن ہیں۔ پاکستان کی بیوروکریسی نے تحریک پاکستان کے اکثر کارکنان سے ایسا ہی احسان فراموشانہ سلوک روا رکھا ہے۔ اسی لئے تو ناعاقبت اندیش لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے، جاگیرداروں، تاجروں کی خودخدا بننے کی خواہش نے ملک پاکستان کو اپنی منزل سے بھٹکا کر سارے عالم میں جائے تمسخر بنا دیا۔ علماء سو نے تو دل سے اسے قبول ہی نہیں کیا۔ قربانیاں دینے والے مہاجرین پسِ پشت ڈال دیئے گئے اور نام نہاد مجنوؤں نے چُوری خوب کھائی۔ خدا تعالیٰ ہماری قوم کو محسنوں کی قدر کرنے کی توفیق دے۔

وطن عزیز کے باسیو! ’’میں پاکستان ہوں‘‘

رانا عبدالرزاق خاں

میں پاکستان ہوں۔ میں تمہارا جنت نظیر پیارا وطن ہوں۔ میں اسلام کا ناقابل تسخیر قلعہ ہوں تم سب میری پناہ میں ہو! آزاد اور خود مختار ہو!۔ میں حضرت قائداعظمؒ کے خوابوں کا جزیرہ ہوں۔ میں شمعِ آزادی کے لاکھوں پروانوں کی قربانیوں کا ثمر ہوں۔ میں بیسویں صدی کا معجزہ ہوں۔ میری بنیاد دو قومی نظریہ پر رکھی گئی تھی۔ میں داغ ہجرت کی تفسیر ہوں۔ آج سے تقریباً ۷۲ سال پہلے کی بات ہے کہ آج ہی کے دن لاہور میں ایک بہت بڑا جلسہ ہوا۔ جس میں برّصغیر پاک و ہند کے نامور مسلم قائدین شامل تھے اسی اجلاس میں ایک قرارداد پیش کی گئی۔ جسے میرے نام سے منسوب کیا گیا۔ یعنی قرارداد پاکستان۔ اگرچہ مجھے بنانے کا مشورہ تو پہلے ہی کافی عرصے سے چل رہا تھا۔ مگر اب ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ کو مجھے بنانے کا پکا ارادہ کر لیا گیا تھا۔ مارچ 1940ء کو جب مسلمانانِ ہند قائداعظم کی قیادت میں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے تو انہوں نے بادشاہی مسجد کے فلک بوس میناروں اور راوی کے سرسبز و شاداب کناروں کو گواہ بنا کر قرارداد لاہور پیش کی تھی۔ اس کے ساتھ ہی غیر ملکی حکمرانوں کے ایوانوں پر لرزہ طاری ہو گیا تھا میرا نام ’پاکستان‘ میرے ایک سپوت بیرسٹر چودھری رحمت علی نے رکھا۔ قائد اعظم اور اسکے رفقائے کار مسلم لیگیوں نے اس خاکے میں رنگ بھرے۔ لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر، سر ظفر اللہ خان، فاطمہ جناح آگے آئے۔ یہ لوگ میرے خدمت گار تھے۔ انہوں نے میرا نام روشن کیا، میرا وقار بلند کیا۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ میری تحریک کے قائد تھے۔ انہوں نے قرارداد منظور ہونے کے بعد مجھے بنانے کے لئے انتھک محنت شروع کر دی۔ اور برصغیر کے مسلمانوں کے ساتھ مل کر تقریباً سات سال کے عرصے میں مجھے پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ میرے بانی قائداعظم محمد علی جناحؒ ایک بہادر انسان تھے۔ وہ ایک مضبوط کردار کے مالک تھے۔ وہ اٹل، مستقل مزاج اور اصول پسند تھے۔ ان کی گفتگو مدلل اور سحر انگیز ہوتی تھی۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ ذہین پارلیمانی شخصیت ایک ہشیار نقاد اور بے لوث سیاستدان تھے۔ ان کا بے مثال جذبہ حُریت اور شبانہ روز محنت ہی وہ سرمایہ تھا جس نے میرے جیسا (پاکستان) زندہ معجزہ دکھا دیا۔ جسے دیکھ کر ساری دنیا حیران و ششدر رہ گئی۔ ان کی شخصیت غیر معمولی صفات کی حامل تھی۔ وہ مسلمانانِ ہند کے سیاسی مسیحا تھے۔ ان کی ساری زندگی پر آج تک کسی نے انگلی نہیں اٹھائی۔ غیر کیا مخالف اور دشمن بھی ان کے کردار کے معترف تھے۔ وہ قائد جنہوں نے خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر اپنی ذہانت

سے مجھے حاصل کیا۔ میں پانچ صوبوں پر مشتمل تھا۔ پنجاب، سندھ، سرحد، بلوچستان اور بنگال جسے مشرقی پاکستان بھی کہتے تھے۔ میرے اپنے بھی میرے قیام پر خوش نہ تھے۔ قائداعظم کو کافرِ اعظم کہنے والے علماءِ سُو نے مجھے پلیدستان، اور ناپاکستان کے نام سے پکارا۔ اور نام نہاد فتووں سے میرے اور اسلام کے تشخص کو بگاڑنے کی بھرپور کوشش کی۔ سوائے ایک (جماعت) کے کسی بھی مذہبی جماعت نے من حیث الجماعت میری تائید نہ کی۔ علمائے سُو نے گاندھی اور نہرو کی خوب مدح سرائی کی۔ مجھے قسم ہے اگر میں جھوٹ بولوں۔ تاریخ آزادی کا مطالعہ کر کے دیکھ لو۔ انہی کھوٹے سکّوں نے بالآخر مجھے بدنام کر کے رکھ دیا۔ ہاں انفرادی حیثیت میں مسلمانوں نے میری تعمیر میں خوب حصہ لیا۔ میرے لئے لاکھوں انسانوں نے دنیا کی عظیم ترین ہجرت کی صعوبتیں برداشت کیں۔ نقل مکانی پر مجبور ہوئے۔ آگ اور خون کے دریا عبور کئے۔ میرے بیٹے سروں پر کفن باندھ کر باطل قوتوں سے ٹکراتے رہے۔ انہوں نے سر دھڑ کی بازیاں لگا کر یوں شمع آزادی کو روشن رکھا اسی جدو جہد میں لاکھوں دُلہنوں کے سہاگ لٹے، ماؤں کے لال قتل ہوئے، بہنوں کے بھائی مارے گئے۔ لاکھوں بچے یتیم ہوئے یہ درست ہے کہ غلامی کی اندھیری رات میں جشن چراغاں منانے کے لئے خون شہادت کے چراغ جلانے پڑتے ہیں۔ نوع انسانی کے اُجڑے ہوئے گلستانوں میں خون کی ندیاں بہائے بغیر بہاروں کا سماں پیدا نہیں ہوسکتا۔ قیمتی جانوں کی قربانیاں اور خاندانوں کی بربادیاں میری آزادی کے لئے خشت اول ثابت ہوئیں تب یہ آزادی ملی۔ مگر میرا وجود مسلسل غیر محفوظ رہا۔ میرے سر پر خطرات کے بادل منڈلاتے رہے۔ مجھے ہمہ وقت چیلنج درپیش رہے۔ قائداعظمؒ نے جن خطرات کی نشاندہی مارچ ۱۹۴۶ میں کی تھی۔ وہی بالآخر ہماری تباہی اور قومی انتشار، تفریق کا باعث بنی۔ انہوں نے دکھ بھرے لہجے میں انتباہ کیا تھا۔ ''وہ دشمن قوتیں جو قیام پاکستان کے خلاف تھیں اپنی ناکامی کے بعد قوم کو تقسیم کرنے کے درپے ہیں۔ ان کے جھانسے میں نہ آنا۔ انہوں نے مزید انکشاف کیا تھا کہ بعض شر پسند عناصر دشمنوں سے پیسے لے کر انتشار پھیلا رہے ہیں۔ جو طبقہ منحنی سوچ کا علمدار تھا۔ اس نے مجھے دل سے آج تک تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ نہرو، گاندھی اور سرحدی گاندھی کے رویے طرح میرے وجود سے اب تک انکاری ہیں۔ اپنی مرضیاں مجھ پر مسلط کرنے کے درپے رہے۔ گروہی، لسانی، مذہبی سیاست کو فروغ دیا۔ اور اقتداری طاقتوں کے درباری بنکر اپنے مقاصد پورے کرتے رہے۔ ماشل لاء آیا تو اسے سلام کیا اگر جمہوریت آئی تو اسے بھی سلام کر کے مفاد پرست ٹولے نے مطلب براری کو پورا کیا۔ بعض جبہ پوش نام نہاد علماءِ سُو جیسے میرے نام پر ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ ان اسلام کے ٹھیکیداروں نے مساجد کو اپنا بزنس بنا لیا۔ اور اسلام کے نام پر مدرسہ جات کھول کر ایک متشدد دین کی فوج ظفر موج تیار کر لی۔ مالی امداد سعودیہ سے حاصل کی (جن وہابیوں کو یہ کتا گردانتے تھے۔ نعوذ باللہ) ان کی امدادی رقوم کو اسی گروہ نے شیر مادر سمجھ کر ہڑپ کر لیا۔ اور لگے انکل سام کے سپاہی بن کر روسی یلغار کو جہاد اسلام سمجھ کر روکنے لگے۔ اور پھر اس وقت کے نام نہاد مرد مومن نے ہیروین کلچر، کلاشنکوف کلچر کو خوب پروان چڑھایا۔ اور اس کے علاوہ شیعہ سنی فساد کو پھیلا کر خون کے دریا بہائے۔ خود تو صاحب انجام بد کو پہنچے مگر مجھے بھی ایک مسلسل نہ ختم ہونے والی آگ میں دھکیل گئے۔ مجھ پر جنگیں مسلط کی گئیں۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ جیت کر مذاکرات کے میز پر ہار دی گئی۔ میجر جنرل اختر علی ملک کو دوران جنگ تبدیل کر دیا گیا تا کہ جیتی ہوئی جنگ کا سہرا شرابی یحیٰی خان کے سر پر سجایا جا سکے۔ بعدازاں اگرتلہ سازش کیس کے ذریعہ بنگلہ دیش کی بنیاد رکھی گئی۔ دونوں پاکستان جو بھائی بھائی تھے۔ ان میں تفرقہ ڈال کر ہندو اور ہندو نواز ٹولے نے آمریت کے سائے میں بنگالی بھائیوں کے قومی اور انسانی حقوق غصب کرنے کی مسلسل کوششیں کیں۔ نام نہاد الشّمس اور البدر کے خدائی فوجداروں نے تشدد کو فروغ دیا۔ اور جو کینہ ور تقسیم ہند سے اس دو قومی نظریہ کے جانی دشمن تھے۔ ان کو موقع مل گیا۔ لسانی اور مذہبی سیاست کا ڈھنڈورا پیٹا گیا اور یحیٰی خان کو مرد کامل قرار دینے والوں کی بات بن گئی۔ پھر ہوس اقتدار کے دیوانے آئے۔ جنہوں نے جیتی ہوئی پارٹی کو حکومت بنانے کی دعوت دینے کی بجائے اُدھر تم ادھر ہم کا نعرہ لگایا۔ انتہائی بُرا وقت اُس وقت دیکھنے کو ملا جب میرا ایک بازو مجھ سے الگ کر دیا گیا۔ میرے اندرونی اور بیرونی دشمن بالآخر 1971ء میں مجھے دوتن کرنے میں کامیاب ہوئے نام نہاد قائد عوام نے لوگوں کو خوب بے وقوف بنایا۔ طلباء کو اساتذہ سے لڑایا۔ ہاری کو زمیندار سے لڑا دیا۔ مزدور کارخانہ دار کے گلے پڑ گیا۔ اس طرح سب نظام چوپٹ ہو گیا۔ روٹی کپڑے اور مکان کا ایسا پرکشش نعرہ دیا۔ کہ اسے تو ووٹ ملے مگر عوام کو کچھ نہ ملا۔ پھر اسنے اسلام کو استعمال کیا۔ اسلامی ممالک سے دولت ہتھیانے کی غرض سے اسلامی کانفرنس کا ڈھونگ رچایا۔ کہ اسلامی یکجہتی کا مظاہرہ کرنے کی خاطر خود مفتی دین متین بن بیٹھا۔ ایک کلمہ گو فرقہ کو اپنی کرسی کے زور پر اسلام سے نکالنے کی ناکام کوشش کی۔ اور خود اسلام سے نابلد اتنا تھا کہ جب اس پر اس کے ملک کے ہائی کورٹ میں اس پر مقدمہ چلا تو اسے نام کا مسلمان قرار دیا گیا۔ پھر اسے سمجھ آئی اور اس نے جواب دعویٰ داخل کروایا کہ مذہب انسان اور خدا کا معاملہ ہے۔ مذہبی طاقتوں کو اس کی بعض حرکات کہاں پسند تھیں۔ قومی اتحاد نے ملکر ایک جنرل سے مارشل لاء لگوا دیا۔ اور وہ بھی مرد مومن بننے کے چکر میں قادر مطلق بن بیٹھا۔ اسنے قائد عوام کو پھانسی کے پھندے پر لٹکایا۔ اور خود جہاد افغانستان کا مجاہد بن کر عالمی لیول پر اسلامی ملکوں کی نوجوان نسل کو جنت دلوانے کی خاطر روس کے خلاف جنگ میں جھونک دیا۔ لالچ اور طمع نے اس کی آنکھیں بند کر دی تھیں۔ پیپلز پارٹی کے کارکنوں کا جینا دوبھر کر دیا۔ عورتوں تک کو کوڑے مارے گئے۔ اور اسلامی شریعت نافذ کرنے کی کوشش میں سستی شہرت حاصل کرنے کی خاطر ایک کلمہ گو فرقہ پر اسلام دشمن پابندیاں لگا دی گئیں خود کلمہ گوؤں کو مسلمان کہنے پر اور اپنی مسجد کو مسجد کہنے پر، آپس میں سلام کہنے پر تین سال قید سنا دی گئی۔ اور مزید یہ کہ توہین رسالت کا مرتکب قرار دے کر

سزائے موت یا عمر قید کی سزا رکھ دی گئی۔۔خدائے قہار نے اسے بھی جلد ہی عذاب النار میں ڈالا۔اور وہ نظارہ کل عالم نے دیکھا۔بعدازاں جمہوریت نے پر پُرزے نکالے۔جو کہ فوج اور بیوروکریسی کو راس نہ آئے۔فوج کہتی تھی کہ وہ اصل حاکم ہے۔اور جمہوریت کہتی کہ میں۔بیوروکریسی دونوں سے آگے تھی۔میرے ہم وطنوں نے خوب غیرانسانی حرکات کرکے انسانیت کی دھجیاں اڑائیں۔اوران کی خوب جگ ہنسائی ہوئی۔میرے سیاسی اور مذہبی راہنماؤں میں سے ایک بھی قائداعظم کے کردار کے مطابق نہیں۔کوئی بنیے کو سلام کر رہا ہے۔کوئی انکل سام کو۔کوئی اپنی انانیت کا شکار ہے۔کوئی عقل کل بن بیٹھا ہے۔اقبال کا شاہین تو کوئی نہ بن سکا مگر کووں کی صفات میں سب مشترک وعیاں ہیں۔اگرایک قائداعظم میری قوم کو خداتعالی اوردے دیتا تو آج امریکہ اور یورپ کے لوگ میرے پاس نوکریوں کے لئے آتے۔ہاں یہ کیسے ممکن تھا۔میرے علماء واساتذہ مایوسی اور انگریز کی غلامی کا شکار رہے تھے۔انہوں نے وہی درس قوم کے جوانوں کو دیا۔بد اخلاقی، چوری چکاری، کسی کا حق غصب کرنا،ظلم کرنا،کذب وافتراء سے دولت اکھٹی کرنے کے راستے بتائے۔جولیڈر بڑا فراڈ کرے وہ سب سے زیادہ عزت دار گردانا جاتا ہے۔جوناجائز طریقے سے دولت کے انبار جمع کرے وہ بہتر شہری،معزز مسلمان گردانا جاتا ہے۔جو عالم بے عمل واعظ کرتے ہوئے منہ سے جھاگ نکالتے ہوئے اپنے مخالف کو ناجائز لتاڑے اور بے ہودہ فتوے دے وہ قابل آفرین ہے ناکہ قابل نفرت۔جواہل کار سب سے زیادہ رشوت لے وہ معزز کہلاتا ہے۔جوجج زیادہ بے انصافی کرے وہ بہتر منصف کہلاتا ہو اور جلد ہی بڑے کورٹ کا جج بن جاتا ہے۔جوگاؤں کا چودھری زیادہ ظالم اور زانی ہو وہ معزز کہلاتا ہے۔جو تھانیدار ہر شب کو رنگین بنائے وہ معزز کہلاتا ہے۔جو جاگیردار اپنی جیل رکھتا ہو اور لاکھوں لوگوں کا ان داتا ہو اور تھانے کچہری میں اس کی سفارش چلتی ہو وہ معزز ہے۔یہاں اسلام کا مفہوم ہی بدلا ہوا ہے۔اسلام عمل کرنے کے لئے نہیں ستعمال کرنے کے لئے ہے۔مطلب براری کے لئے ہے۔اسی لئے تو یہ ملک کوئی اور قائد اعظم پیدا نہ سکا۔کیونکہ پونجاجناح اور مٹھی بائی کردار کے لوگ اب اس معاشرے میں نہیں ہیں۔اگر ہیں بھی تو مطلب برار، بدقماش، چھچھورے، ابن الوقت، کذب بیان لوگوں کے نیچے دب گئے ہیں۔میرے خلاف مسلسل سازشوں کے جال بُنے جاتے رہے۔میری جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کو پامال کیا جاتا رہا۔میں پڑوسیوں کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹکتا رہا۔۔خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب تک اپنے نام کے ساتھ زندہ ہوں۔میرے شیر دل میرے جاں نثار میرے نام پر جاں نثار ہوتے رہے۔ان شہیدوں کے خون سے میری صبح آزادی کی کرنیں پھوٹیں۔برسوں کی جدوجہد کے بعد میرا وجود عمل میں آیا۔پھر آمریت، وڈیرہ شاہی، جاگیرداری، دہشت گردی، ملائیت، لُولی لنگڑی سیاست، مذہبی، لسانی، گروہی سیاست، افراتفری، ہارس ٹریڈنگ، فلور کراسنگ، ہڑتال، تالہ بندی، لانگ مارچ، ٹرین مارچ اور گھیراؤ جلاؤ کے دور بھی دیکھے۔جنہوں نے میری ساکھ خراب کردی۔بلکہ شکل بگاڑ دی۔ان کھوٹے سکوں نے اپنی من مانی کرکے مجھے کہیں کا نہ چھوڑا۔یہ تو اسی طرح ہوا جیسے نادان بچوں کے ہاتھ میں قینچی دے دی جائے۔

وہ لوگ دیتے ہیں درس بیداری
جن کے اپنے ضمیر سوئے ہوئے ہیں

اب میں پھر تاریخ کے ایک نازک موڑ پر کھڑا ہوں۔میرا مستقبل خطرے میں ہے۔مجھے میرے اپنوں نے لہولہان کر دیا ہے اپنوں نے نفرتوں کی کھیتیاں کاشت کرکے میرا پیٹ بارودخانوں سے بھر دیا ہے۔فرقہ پرستی، کنبہ پروری اور نفسانفسی کا عالم ہے ہر کسی نے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا رکھی ہے۔بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ہر چیز ہر قسم کی ملاوٹ سے اپنی اصلیت کھو بیٹھی ہے۔دین و دنیا کے ساتھ ساتھ ہر رشتہ، خون، نسل، ایمان، جنت، دوزخ، خدا، رسول، قبلہ وکعبہ اور قرآن تک اس ملاوٹ سے محفوظ نہیں رہے۔ووٹ فروشی، وزارت فروشی، جسم فروشی، بردہ فروشی، ضمیر فروشی اور جنت فروشی، عزتفروشی، اولادفروشی، دین فروشی، وطن فروشی نے میرے جسم پر قبضہ جمایا ہوا ہے۔مجھے خودغرض، انا پرست اور کلبی عادات والے لوگوں نے اغوا کر لیا ہے۔میرے بیٹو! میری حفاظت کرو۔اس خطے کو امن وامان کا گہوارہ بناؤ۔محبت، پیار، خلوص، اخوت دوستی اور بھائی چارے کی کھیتیاں کاشت کرو نفرتیں، عداوتیں، فاصلے، دُوریاں اور رنجشیں دور کردو۔کشمیر میرا اٹوٹ انگ ہے۔مجھے کشمیر چاہیئے مجھے خوشحالی، استحکام، خود کفالت، روشن مستقبل، تعلیم، بہتر خوراک، پُر امن ماحول، بہتر ذرائع آمدن، اچھی شہرت اور مکمل تحفظ کی ضرورت ہے۔ہاں اس میں کوئی شک نہیں قائداعظم نے یہ ملک اسلام اور مسلمانوں کے لئے بنایا ہے۔جبکہ سب اسلامی جماعتیں اس کے بنانے کے خلاف تھیں اور کانگرس کی حامی تھیں۔اب ۶۵ سالوں میں اس نے کون سا نظام دیا ہے۔جب آپ کے عمل اسلام سے دور ہو جائیں تو ایسا ہی ہونا تھا۔اسلام کا نظام بہت عظیم ہے۔مگر آپ کون سا اسلام نافذ کریں گے۔یزید کا اسلام کہ امام حسینؓ کا اسلام۔طالبان کا اسلام، مودودی، وہابی، دیوبندی، بریلوی، رائے ونڈی برانڈ کے اسلاموں نے اس ۶۵ سال میں میرا منہ کالا کر دیا ہے۔الٹا کشکول گدائی نے میرا امیج تباہ کر دیا ہے۔مسلمان تو دور کی بات ہے آپ انسان تو بنو۔آپ کے علماء سو بے عمل، زر پرست، زن پرست، شہوت پرست، فرقہ پرست، مردہ پرست، انا پرست، تخریب پرست، شاہ پرست اور مطلب پرست ہو کر رہ گئے ہیں حضرت علامہ محمد اقبال حکیم الامت پاکستان کا خواب دیکھنے والے نے اپنی قوم کی کیا تصویر پیش کی تھی۔جبکہ آج اس وقت سے اب حالت قوم بدترین ہے

وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں! جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں
قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

سنہ ۲۰۱۱ء کا حج اسکینڈل ہی کافی ثبوت ہے۔ان متشدد طاقتوں نے عوام کو روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم صحت روزگار دینے کی بجائے ایٹم بم دیا۔اور جس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔کیا ان کے دشمن نہیں ہیں کیا ایٹم بم کے بغیر دنیا کے باقی ممالک باعزت زندگی نہیں بسر کر رہے۔وہ زمانہ گیا جب طاقتور ملک کمزور ملک پر قبضہ کر سکتے تھے۔میری قوم نے ہر شہر کے چوراہوں پر جنگی جہاز اور میزائل رکھ کر اپنے جنگی جنون کا تو ثبوت دیا ہے۔مگر اسلامی اقدار اور نامور نوبل لاریٹ یا اپنے علمی سائینسی کارنامے کرنے والوں کا کوئی نام نہیں ،کوئی مجسمہ نہیں کوئی داخل نصاب نہیں، نعرے ہم ہر وقت اسلام کے مارتے ہیں اور نقل ہم مغرب کی کر رہے ہیں۔کیا ہی ایک شاعر جناب امیر الاسلام ہاشمی نے صدق دل سے آج کے پاکستانی مومن کی نقشہ کشی کی ہے۔

اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں
مکاری و عیاری و غداری و ہیجان
اب بنتا ہے ان چار عناصر سے مسلمان
قاری اسے کہنا تو بڑی بات ہے یارو!
اس نے تو کبھی کھول کے دیکھا نہیں قرآن
کردار کا گفتار کا اعمال کا مومن
سرحد کا ہے مومن کوئی بنگال کا مومن
ڈھونڈے سے بھی ملتا نہیں قرآن کا مومن
بیباکی و حق گوئی سے گھبراتا ہے مومن
مکاری و روباہی پہ اتراتا ہے مومن
جس رزق سے پرواز میں کوتاہی کا ڈر ہو
وہ رزق بڑے شوق سے کھاتا ہے مومن
۔اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

بلکہ ہماری موجودہ نسل اب اپنے اکابرین پر تنقیدی اور طنزیہ تبصرے کرتی ہے قومی دولت اور املاک کو غصب کرنا قوم کا فیشن بن گیا ہے۔ٹیکس نہ دینا معزز ہتھکنڈہ ہے۔بیوروکریسی سے مل کر بڑے بڑے قرضے معاف کروانا ہر سیاسی لیڈر کی عادت ثانیہ بن گئی ہے۔سب اداروں کو کرپشن کے عفریت نے ہڑپ کر لیا ہے۔قانون بے بس ہے۔ظلم کی حکمرانی ہے۔کسی بھی محکمہ کا الٹرا ساؤنڈ کر لیں کوئی مثبت خبر نہیں ملے گی۔کیا یہ سب کچھ فرشتے بگاڑ گئے ہیں۔اور پھر قانون حرکت میں نہیں آ رہا۔کیونکہ اس کارِ خیر میں سب بڑے بڑے مسلمان لوگ اور جبہ پوش بھی ہی ملوث رہے ہیں۔ اے میری قوم کے سپوتو! سوچو! افیمی چین میرے ایک سال بعد آزاد ہوا ہے۔آج وہ کہاں کھڑا ہے۔تم اسلام کے عظیم نظام کو رکھتے ہوئے بھی ایک ناکام ریاست کا روپ دھار چکے ہو۔اور آپ کی سب حرکتیں اسلام سے متضاد ہیں۔مسلمان ہو کر اپنے گھر میں (لالچ اور طمع کی خاطر کبھی سعودیہ سے کبھی امریکہ اور کبھی برطانیہ سے) ڈکٹیشن لیتے ہو۔تم احساس کمتری کا شکار ہو یا تم فقیر ہو اس رویہ نے تمہارا بیڑا غرق کر دیا ہے۔تم آدھا تیتر آدھا بٹیر ہو۔ نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

میں اپنے پر نظر ڈالتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے۔میرے بزرگوں نے جو خواب دیکھے تھے وہ نامکمل ہیں۔میں (پاکستان) بالکل ان کے برعکس ہوں۔میں سوچتا ہوں۔کہ میری بنیاد تو اسلام پر تھی۔میری بنیادوں میں شہیدوں کا لہو شامل ہے۔مجھے تو ایسا ملک ہونا چاہیئے تھا جو امن کا گہوارہ ہوتا۔مجھے پوری دنیا کے لئے رول ماڈل ہونا چاہیئے تھا۔میں آپ کو یہی پیغام دوں گا کہ مجھے رول ماڈل بنائیں پوری دنیا کے لئے۔میری حفاظت کریں کیونکہ میرے دم سے آپ ہیں۔مجھ سے محبت کریں۔کیونکہ اپنے وطن سے محبت کرنا ایک عبادت ہے۔لہٰذا میری خدمت عبادت سمجھ کر کریں۔تو آپ کے ملک یعنی میرا شمار دنیا کے امیر ترین ممالک میں ہو سکتا ہے۔مجھے ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لئے اپنا کردار ادا کریں۔یہاں رشوت، سفارش، اقرباء پروری، بے انصافی، بیروزگاری، ناخواندگی، غربت، بھوک ،افلاس، عریانی اور بے راہروی نہیں چاہیئے قائد اعظم کے افکار کو یاد کرو۔۱۱۔اگست ۱۹۴۷ء کی تقریر کو اپنا منشور بنا لو۔اس ملک کے رہبر بنو، لیڈر بنو، مفکر بنو، ڈاکٹر عبدالسلام بنو، میں پاکستان ہوں۔میرا ایک قومی تشخص ہے اور اس تشخص کو قائم رکھنا آپ سب کی خصوصاً نوجوان نسل کی اہم ذمہ داری ہے۔ورنہ تمہاری داستاں بھی نہ ہوگی داستانوں میں☆

زبان ایک عظیم نعمت

ابن لطیف

انسان کے پورے جسم کے بارے میں سوچا جائے تو عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں کہ ہر عضو صحیح طریقے سے، ہر وقت کام کرتا ہے، اور ذرہ برابر بھی اس میں کوتاہی نہیں کرتا، چاہے وہ آنکھ ہو یا کان، ناک ہو یا زبان۔یہ کیوں اپنے کاموں میں کوتاہی نہیں

کرتے، اس کی وجہ صاف ہے کہ اس کی تخلیق اللہ عزوجل نے کی ہے اور اللہ عزوجل کی تخلیق کردہ اشیاء میں کوئی اونچ نیچ نہیں ہوتی، سارے وقت پر صحیح کام کرتے ہیں۔ زبان ہی کی مثال لیجئے ، یہ ایک گوشت کا ٹکڑا ہے لیکن اس کے اندر ایسی حیرت انگیز اور فکر انگیز صلاحیتیں پائی جاتی ہیں کہ انسانی عقل آج تک اس بات پر حیران ہے، کہ زبان کے اوپر صرف ایک شے رکھنے کی دیر ہوتی ہے باقی وہ اپنا کام خود کرتی ہے، فوراً پتہ دیتی ہے کہ اس کے اوپر رکھے جانے والی شے کیسی ہے یعنی اس کا ذائقہ بتا دیتا ہے کہ کڑوا ہے، میٹھا ہے یا ترش۔ حالانکہ یہ ایک گوشت کا ٹکڑا ہے لیکن ذائقہ پہنچاننے کی صلاحیت بھرپور رکھتی ہے۔ صرف یہ ہی نہیں کہ ایک ہی وقت میں ایک ہی شے کے ذائقے کی نشاندہی کریگا بلکہ بہ یک وقت جتنی چیزیں بھی زبان پر ہونگی ان سب کا ذائقہ بھی الگ الگ ہوگا تب بھی الگ الگ ذائقے کی تمیز کریگی اور وہ بھی ایک ہی وقت میں۔ آخر اس میں ایسا کیا ہے کہ جو ان تمام اشیاء کی بیک وقت امتیاز کرتی ہے؟ اصل معاملہ تو اللہ عزوجل ہی کو معلوم ہے اور ظاہری طور پر جو چیز ہمارے سامنے ہے اور جس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ زبان کے اوپری حصے پر ایک جالی دار تہہ چڑھی ہوتی ہے جس کے اندر چھوٹے چھوٹے لاتعداد سوراخ ہوتے ہیں، یہی سوراخ لعاب بناتے ہیں اور جب کوئی شے ان سوراخوں پر آجاتی ہے تو لعاب فورا اس پر چپک جاتا ہے اور زبان نشاندہی کردیتی ہے کہ یہ چیز میٹھی ہے یا کڑوی۔ اور وہ لعاب منہ کے اندر پھیل جاتا ہے جس سے پورا منہ میٹھا یا کڑوا ہو جاتا ہے۔

زبان محض چکھنے کا کام ہی نہیں کرتی بلکہ بولنے میں بھی اس کا کمال ہے بغیر زبان کے انسان صحیح طرح سے بولنے کے قابل نہیں رہتا۔ یعنی زبان ذائقہ، بول چال اور لعاب بنانے میں مدد دیتی ہے، یہی نہیں اللہ عزوجل نے لعاب کے اندر ایک قسم کا اینٹیابائیٹک ایسیڈ بھی رکھا ہے جو منہ کے اندر ہر قسم کے زخم میں کافی حد تک کارآمد ہوتا ہے۔ جب منہ کے اندر زخم ہوجاتا ہے تو بسا اوقات ہم اس کے لیے کوئی دوا وغیرہ استعمال نہیں کرتے مگر وہ زخم کچھ عرصے بعد خود بخود ٹھیک ہوجاتا ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ لعاب کے اندر زخم ٹھیک کرنے کی صلاحیت بھی موجود ہوتی ہے۔

اللہ عزوجل نے منہ کے اندر زبان کو دانتوں کے درمیان اس لحاظ سے رکھا ہے کہ باتوں کے دوران، سونے کے دوران اور کھانے کے دوران زبان دانتوں کے نیچے نہیں آتی۔ یہ بھی ایک فکر انگیز نعمت اس میں موجود ہے کہ گفتگو کے دوران زبان دانتوں کے مختلف جگہوں سے ٹھکراتی ہے اور پل بھر میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی ہے اور اس کے منتقل ہونے میں ایک راز ہے اور وہ یہ ہے کہ زبان کی اس منتقلی کی وجہ سے ہی ہم منہ سے مختلف قسم کے الفاظ نکالنے کے قابل ہوتے ہیں۔ یعنی وہ الفاظ جس کا تعلق زبان سے ہوتا ہے جس کو عربی میں لسانی حروف کہتے ہیں۔ کیونکہ زبان ہلائے بغیر بات کرنا صحیح طریقے سے ممکن نہیں، بول چال کی خوبصورتی بھی زبان کے استعمال کرنے کی وجہ سے آتی ہے اور زبان کا مختلف جگہوں سے ٹکرانا یہ ہمارے ان الفاظ کے ادا کرنے کا باعث ہے جن کا تعلق زبان سے ہوتا ہے۔ یہاں پر ایک سوال ذہن میں آرہا ہوگا کہ کھانے کے دوران تو زبان کبھی کبھار دانتوں کے درمیان آجاتی ہے۔ اور زخمی بھی ہوجاتی ہے۔ تو آسان جواب یہ ہے کہ یہ ہماری بے احتیاطی کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ اگر احتیاط سے کھانا کھایا جائے تو کبھی بھی زبان دانتوں کے درمیان نہیں آئیگی، اور جب کوئی اپنی زبان دانتوں سے کاٹ لے تو اس کے بعد وہ خود کہتا ہے کہ بے احتیاطی کی وجہ سے زبان دانتوں کے نیچے

آ گئی۔زبان کے اندر موجود صلاحیت جن چیزوں سے متاثر ہوتی ہے ان میں گرم کھانا، سخت ٹھنڈا پانی پینا، زبان پے برف رکھنا، زیادہ نمک یا مرچوں والا سالن مسلسل استعمال کرنا اس سے معدہ بھی خراب ہوگا اور آخر میں جو چیز زبان کے لئے حد درجہ خطرناک ہے اس میں چھالیہ اور گٹکہ قابل ذکر ہیں یہ چیزیں واقعی بہت جلد زبان پر اثر انداز ہوتی ہے اور آخر کار منہ کے کینسر کا سبب بن جاتی ہے۔زبان کی صلاحیت بھی اللہ عزوجل کی ان نعمتوں میں سے ہے جن کا نعم البدل پھر میسر نہیں ہوتا، لہذا اگر ایک بار ضائع ہو جائے تو واپسی ظاہراً نا ممکن ہے۔یہ قدرت کا عجیب نمونہ ہے۔لہذا اس کی مکمل حفاظت کرنی چاہیے۔اللہ عزوجل نے جتنی بھی نعمتیں دی ہیں ان سب کا خیال رکھنا فرض ہے اور اگر خدانخواستہ کچھ نقصان ہو جائے تو فوراً کسی اچھے ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہیئے تاکہ اس کا بروقت علاج ممکن ہو سکے، تاکہ اس نعمت کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

اردو کی پہلی مطبوعہ کتاب کے مصنف جان جوشو کیٹلر

عامر امیرؔ

اردو کی پہلی مطبوعہ کتاب کے مصنف جان جوشو کیٹلر ہیں۔سولہویں صدی عیسوی کے دوران جب پرتگال اور یورپ کی دوسری قوموں نے ہندوستان کے ساحلی علاقوں پر اپنے اڈے قائم کرنے شروع کئے تو ان کو فارسی کے علاوہ ہندوستان کی دوسری زبانوں سے بھی سابقہ پڑنے لگا۔چنانچہ اہل یورپ میں سے سب سے پہلے جن لوگوں نے ہندوستانی یا اردو زبان کی طرف توجہ دی۔اور اس کی لغت اور قواعد مرتب کئے۔وہ پرتگیزی پادری تھے۔مگر ان لغات اور قواعد کو چھاپے خانے کی شکل دیکھنا نصیب نہ ہوئی۔ادھر یورپ میں فارسی رسم الخط کی کتب چھاپنے کا سلسلہ ۱۶۳۹ء سے شروع ہو چکا تھا۔لیکن اس کے باوجود اردو کی طباعت کا آغاز اس کے کوئی سو برس بعد یعنی جنوری ۱۷۴۳ء میں ہوا۔جس کا اولین نمونہ ہمیں جان جوشو کیٹلر کی کتاب جو دراصل ایک طرح کی لغت اور ہندوستانی زبان سیکھنے کی کتاب میں نظر آتا ہے۔اس کا اندازہ اس کتاب کے نام سے بھی ہوتا ہے۔جس کا ترجمہ ہے۔''ہندوستانی اور فارسی زبان سیکھنے کے لئے ہدایات اور سبق،فعلوں کے مختلف صیغوں کی گردانیں، ہندوستان کے ناپ تول کے پیمانوں سے متعلق الفاظ اور ان کے ولندیزی متبادل اور مسلمانوں کے مختلف ناموں کے معنی''۔اس کتاب میں چند ہندوستانی یا اردو الفاظ ٹائپ میں بیشتر الفاظ رومن رسم الخط میں ولندیزی زبان کے تلفظ کے مطابق دیئے گئے ہیں۔البتہ فارسی اور عربی الفاظ کے لئے نسخ ٹائپ استعمال کیا گیا ہے۔اس کے بعد ہندوستانی زبان کے قواعد بھی بیان کئے گئے ہیں۔اور مختلف عنوانات کے تحت مثالیں دے کر گرائمر کے اصولوں کی وضاحت کی گئی ہے۔اس کتاب کا مصنف جان جوشو کیٹلر جرمنی (ELBING) نامی شہر میں ۱۶۵۹ء کو پیدا ہوا تھا وہ مختلف شہروں میں ملازمتیں کرتا ہوا ۱۶۸۲ء میں ایمسٹرڈم پہنچا۔جہاں سے اس نے ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازمت اختیار کر لی۔اسی دوران وہ ہندوستان آ گیا۔اور ترقی کرتا کرتا ۱۷۰۰ء میں آگرہ کی فیکٹری کا اور پھر ۱۷۰۵ء سورت کی فیکٹری کا ڈائریکٹر ہو گیا۔۱۷۱۱ء میں اسے حکومت ہالینڈ نے ہندوستان میں سفیر مقرر کر دیا اور وہ ۸ فروری ۱۷۱۱ء سے ۷ فروری ۱۷۱۳ء تک شاہ عالم بہادر شاہ ظفر اور جہاندار کے درباروں سے وابستہ رہا۔ ۱۷۱۵ء میں اسے شاہِ ایران کے دربار میں سفیر مقرر کر دیا گیا۔جان جوشو کیٹلر نے ۱۲ مئی ۱۷۱۸ء کو بندر عباس میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوا۔فارسی اور اردو قواعد کی یہ کتاب اس نے اپنے لکھنو کے قیام کے دوران ۱۶۹۸ء میں لکھی تھی ۔اس کتاب کا جو نسخہ ہالینڈ کے شہر دی ہیگ کے رائل آرکائیوز میں موجود ہے یہ ایک قلمی نسخہ ہے اور اس کے اختتام پر لکھنو ۱۶۹۸ء کے الفاظ درج ہیں۔غالباً یہ اس کتاب کا واحد مخطوطہ جواب دستیاب ہے۔یہ کتاب جان جوشو کیٹلر کی وفات کے تقریباً دو برس بعد جنوری ۱۷۴۳ء میں شائع ہوئی۔اس کتاب کی اشاعت کے چند ماہ بعد اپریل ۱۷۴۳ء جرمنی کے شہر ہالے سے بنجمن شلز کی کتاب'' ہندوستانی زبان میں عیسائی عقائد کا خلاصہ'' شائع ہوئے۔جو یورپ میں اردو رسم الخط میں شائع ہونے والی پہلی کتاب ہے۔

قرآنِ کریم اور بیسویں صدی

عبدالمجید ظفر

گذشتہ چودہ سو سالوں میں قرآنِ پاک کی بے شمار پیشگوئیاں پوری ہوئی ہیں۔اسی طرح اس صدی جس کو بیسویں صدی کہا جاتا ہے۔اس میں درج ذیل پیشگوئیاں پوری ہوئی ہیں۔۱۔قرآنِ پاک کی سورۃ رحمٰن آیت 20 تا 22 میں ذکر ہے۔(اس نے دو سمندروں کو اس طرح چلایا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے مل جائیں گے،ان کے درمیان ایک پردہ ہے جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے میں داخل نہیں ہو سکتے) ان میں نہر سویز اور نہر پانامہ کی پیشگوئی ہے۔نہر سویز جو بحیرہ روم اور بحیرہ احمر کو ملاتی ہے اور مصر سے گزرتی ہے جبکہ نہر پانامہ وسطی امریکہ کے ملک پانامہ سے گزرتی ہے اور بحر الکاہل اور بحر اوقیانوس کو ملاتی ہے۔۲۔پھر سورۃ رحمٰن آیت 25 میں درج ہے۔(اور اس کی بنائی ہوئی کشتیاں اور اس کے بنائے ہوئے جہاز بھی ہیں جو سمندروں میں پہاڑوں کی

طرح دکھائی دیتے ہیں)ان بلند پہاڑوں جیسے جہازوں سے مراد دخانی جہاز ہیں جو اس صدی میں بنے جبکہ نزولِ قرآن کے وقت اس قدر دیو ہیکل جہاز نہ تھے۔ ۳۔سورۃ معارج آیت 10 میں ہے۔(پہاڑ دُں کی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے)یعنی ایسی ایجادیں نکل آئیں گی ،ایسے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم جن کے گرنے سے پہاڑوں اوران جیسی مضبوط چیزیں روئی کے گالوں کی طرح اڑ جائیں گی۔چنانچہ ایسا ہورہاہے۔۴۔سورۃ رحمٰن کی آیت 36 میں ہے(تم پرآگ کا شعلہ گرایا جائے گا اور تانبا بھی گرایا جائے گا پس تم دونوں ہر گز غالب نہیں آسکتے)اس سے مراد ہائیڈروجن اوردیگر گیسوں کے بم ہیں جو تانبے کے خول میں بند ہوتے ہیں اور آگ پھینکتے ہیں۔یہ جہاں بھی گریں تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔۵۔سورۃ انشقاق کی آیات 4اور 5 میں ہے(اور جب زمین پھیلا دی جائے گی اور جو کچھ اس میں ہے وہ اس کو نکال پھینکے گی اور خالی ہو جائے گی)یعنی علمِ طبقات الارض ترقی کرے گا اور زمین کے باریک در باریک راز معلوم ہو جائیں گے۔چنانچہ آج کی دنیا گواہ ہے کہ زمین نے اپنے خزانے مثلاً پیٹرول،گیس،لوہا،تانبا،سونا چاندی وغیرہ اس قدر انسان کے آگے رکھ دیے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔۶۔سورۃ التکویر آیت 6 میں فرمایا گیا ہے(جب وحشی اکٹھے کئے جائیں گے)یہ پیشگوئی کس شان سے پوری ہوئی کہ انسان نے اس صدی کے دوران کثرت کے ساتھ دنیا کے تقریباً ہر ملک میں چڑیا گھر قائم کیے اوران میں بڑی تعداد میں وحشی جانور جمع کیے۔۷۔سورۃ تکویر ہی کی آیت 12 میں بتایا گیا(اور جب صحیفے نشر کیے جائیں گے)صورتِ حال گواہ ہے کہ اس صدی میں کتب،رسائل،جرائد،اخبارات اوراشتہارات اتنی بڑی تعداد میں شائع ہوکر دنیا کے کونے کونے میں پہنچ رہے ہیں کہ قرآنِ کریم کی صداقت پر یقین اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے۔۸۔سورۃ تکویر آیت میں ہے(اور جب آسمان کی کھال ادھیڑ دی جائے گی)یعنی خلاء کے بارہ میں علم بہت ترقی کرے گا۔چنانچہ اسی صدی میں انسان نے چاند پر قدم رکھا اور روز بروز ترقیات اور تحقیقات جاری ہیں۔۹۔سورۃ تکویر آیت 7 میں فرمایا گیا(جب جہنم کو بھڑکایا جائے گا اور جنت کو قریب کر دیا جائے گا)جہنم کی آگ بھڑکانے سے مراد ہے کہ گناہ بہت زیادہ ہو جائے گا۔خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی عام ہو جائے گی۔خدا کا خوف اُٹھ جائے گا اور انسان بدی کی طرف جلد راغب ہونے لگے گا۔اس کا عملی ثبوت ہمارے سامنے ہے۔چوری،ڈاکہ،رشوت،زنا،جھوٹ اور بد دیانتی بکثرت ہو رہی ہے۔سود کا نظام بین الاقوامی سطح پر معیشت میں شامل ہو کر تجارت کا جزوِلازم بن چکا ہے۔جس سے کوئی ملک،قوم یا فرد اپنا دامن بچا نہیں سکتا۔بعض کھیلیں اور مشینیں ایسی ایجاد ہو گئی ہیں جن کے ذریعہ بڑے وسیع پیمانے پر جوئے کا کاروبار ہوتا ہے۔غرض عصرِ حاضر کی چکا چوند ترقی نے انسان کو گناہ کی طرف بہت زیاد مائل کر کے جہنم کے قریب کر دیا ہے۔مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ بیسویں صدی کی ترقی نے انسان کو نیک اعمال بجا لانے کے قریب بھی کر دیا ہے۔وہ دینی علوم جو بڑی مشکلات اور جانفشانی سے انسان سینہ بہ سینہ حاصل کرتا تھا آج گھر بیٹھے ان سے مستفید ہو رہا ہے۔موجودہ پریس اور اشاعت اور اخبار کے نظام نے دنیا میں زبردست انقلاب برپا کر دیا ہے۔قرآنِ کریم کی تفاسیر،احادیث اور فقہ کی سہل دستیابی سے دین سیکھنا بے حد آسان گیا۔ریڈیو،ٹیلیوژن،انٹرنیٹ اور دیگر ایجادات نے تو غیر ممکن کو ممکن بنا دیا ہے۔لہٰذا دنیا کا کوئی انسان مرد ہو یا عورت ان ایجادات کے نتیجہ میں ملنے والی سہولتوں میں توازن کو اختیار کرے اور بدی کو کراہت کے ساتھ چھوڑ کر،نیکی کو سنوار کر ادا کرے تو بلاشک (بحکمِ خدا) جنت اس کے قریب کر دی جائے گی۔۱۰۔سورۃ انفطار آیت 5 میں فرمایا گیا ہے(جب قبریں اکھیڑ دی جائیں گی)جیسا کہ ملکِ مصر میں فرعونوں کی قبریں کھود کر ان سے حنوط شدہ لاشیں نکالی گئیں ان میں فرعونِ موسیٰ کی بھی لاش ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے اپنے وعدہ کی صداقت کے طور پر دنیا سامنے پیش کیا۔اسی طرح اس صدی میں اور بھی بے شمار آثارِ قدیمہ کھودے گئے جن میں سے بہت ساری معلومات حاصل کیں۔

غزلیات

ہمارے بہت ہی محترم پروفیسر محمد اقبال نجم نے اپنی پسندیدہ بہادر شاہ ظفر کی ایک شاہکار نظم ارسال کی ہے جو فارسی دانوں کے لئے قندِ مکرر کا کام دے گی۔

بہادر شاہ ظفر

دِلفریبے ، دِلنوازے ، دِلربائے، دِلستانے
مست نازے، فتنہ سازے، تندخُوئے ، جنگ جوئے
ظلم کیشی، ظلم کُوشی، ظلم خواہی، ظلم رَانے
کج کلاہے، کج اَدائے، پُر فریبے ، پُر دَغائے
بَد طریقے، بَد شعارے، بَد مزاجے ، بَد زبانے
چشم مے گوں مبصّروشے، پُر نگاہے ، با دَہ نوشے
خطِ عارض، سبزہ زارے، رُوئے گلگوں گلستانے
خوش نگارے، خوبروئے، بذلہ سنجے، نغز گوئے
ہوشیارے، حرف گیرے، نکتہ طبع، نکتہ دانے
خود پرستے، خود نمائے، خود پسندے، خود ستانے
خود سرے، نا آشنائے ، سر کشے ، نا مہر بانے
ہم ظفر ہیں اس پہ مفتون خوارو رُسوا دَار و مخزون
وہ یہ مانے، یا نہ مانے، وہ یہ جانے ،یا نہ جانے

محسن نقوی

اُجڑے ہوئے لوگوں سے گریزاں نہ ہوا کر
حالات کی قبروں کے یہ کتبے بھی پڑھا کر

کیا جانئے کیوں تیز ہوا سوچ میں گُم ہے
خوابیدہ پرندوں کو درختوں سے اُڑا کر

اس شخص کے تم سے بھی مراسم ہیں تو ہونگے
وہ جھوٹ نہ بولے گا مرے سامنے آکر

اب دستکیں دے گا تو کہاں اے غمِ احباب!
میں نے تو کہا تھا کہ مرے دل میں رہا کر

ہر وقت کا ہنسنا تجھے برباد نہ کردے
تنہائی کے لمحوں میں کبھی رو بھی لیا کر

وہ آج بھی صدیوں کی مسافت پہ کھڑا ہے
ڈھونڈا تھا جسے وقت کی دیوار گرا کر

برہم نہ ہو کم فہمی کوتہ نظراں پر...
اے قامتِ فن اپنی بلندی کا گلا کر

اے دل تجھے دشمن کی پہچان کہاں ہے؟
تُو حلقۂ یاراں میں بھی محتاط رہا کر

میں مر بھی چکا، مل بھی چکا موجِ ہوا سے
اب ریت کے سینے پہ مرا نام لکھا کر

پہلا سا کہاں اب مری رفتار کا عالم
اے گردشِ دوراں ذرا تھم تھم کے چلا کر

اس رُت میں کہاں پھول کھلیں گے دلِ ناداں؟
زخموں کو ہی وابستۂ زنجیرِ صبا کر

اک روح کی فریاد نے چونکا دیا مجھ کو
تو اب تو مجھے جسم کے زنداں سے رہا کر

اس شب کے مقدر میں سحر ہی نہیں محسن
دیکھا ہے کئی بار چراغوں کو بجھا کر

مولانا عبدالمجید سالک

عشق خاموش ہوا شورِ ہوس باقی ہے
قافلہ چل دیا، آوازِ جرس باقی ہے

یہ کوئی شہ نہیں لفظوں سے جو اُٹھتا ہے دھواں
بُجھ گیا شعلہ دل سوزِ نفس باقی ہے

جس چمن میں تھی زمزمہ پیرا بُلبل
اب وہاں ہمہمہ موروِ مگس باقی ہے

ہو گیا باغ سے صیاد تو رُخصت لیکن
اب بھی وہ سلسلہ دام و قفس باقی ہے

خانہ برباد کریں کارِ نشیمن بندی
ابھی گلشن میں فراوانی خس باقی ہے

جب سے اپنا لیا سالکؔ نے غمِ دوراں تجھے
تیرے شعروں میں گھلاوٹ نہ رَس باقی ہے

ایوب اولیاء

دعا

مجھے قوتِ عمل دے مجھے علمِ ضیاء دے
میرا دل ہو پاک اکسیر مجھے صدق و صفا دے

نہ رہوں اسیر دانش کہ تمام گمرہی ہے
کہیں بھٹک نہ جاؤں رہ سے مجھے قلبِ پنہاں دے

یہی اولین خواہش یہی آخری تمنا
میرے دل کو دے بصیرت میرے دل کو جلا دے

یہ زمانہ ہے فریبی، یہ جہاں ہے ایک دھوکا
یہاں بستے ہیں لٹیرے مجھے اپنا آسرا دے

یہ جناب اولیاء ہیں کہ بنے ہیں آج زاہد
انہیں دل کا سوز دے دے انہیں نازو رسا دے

پروین شاکر

ہتھیلیوں کی دعا پھول لے کر آئی ہو
کبھی تو رنگ میرے ہاتھ کا حنائی ہو

کوئی تو ہو جو میرے تن کو روشنی بھیجے
کسی کا پیار ہوا میرے نام لائی ہو

گلابی پاؤں میرے چمپئی بنانے کو
کسی نے صحن میں مہندی کی باڑھ اُگائی ہو

کبھی تو ہو مرے کمرے کا ایسا منظر بھی
بہار دیکھ کر کھڑکی سے مسکرائی ہو

وہ سوچتے دیکھتے رہنے کا فسوں
کہ نیند میں ہوں مگر نیند بھی نہ آئی ہو

فاخرہ بتول

آپ جیسے فنکار بہت ملتے ہیں
جان و دل دینے کو تیار بہت ملتے ہیں

بھولی بھالی کسی صورت پہ نہ جانا صاحب
گُل کے پردے میں یہاں خار بہت ملتے ہیں
تیری ہاتھوں کی لکیروں میں کئی موڑ ملے
اور بدل جانے کے آثار بہت ملتے ہیں
مانا ہم جیسے بھی لاکھوں ہیں جہاں میں لیکن
آپ جیسے بھی تو سرکار! بہت ملتے ہیں
آنکھ کھل جانے پہ اک بار کبھی آن ملو
خواب وادی کے تو اُس پار بہت ملتے ہیں
زندگی کو کوئی جانے بھی تو جانے کیسے
اس کہانی میں تو کردار بہت ملتے ہیں
عدل ملتا ہی نہیں سارے زمانے میں کہیں
مسندیں ملتی ہیں دربار بہت ملتے ہیں
خود سے دل میں رکھ کر کوئی پوجے گا تو مانیں گے بتول
بہت ملتے ہیں خالی خولی ہمیں اظہار بہت ملتے ہیں

خالد ملک ساحل

پہلے تو آب و تاب ستارے میں پھینک دی
پھر روشنی خیال کی ذرے میں پھینک دی
یہ کائنات خالقِ واحد کا عشق ہے
کس نے سیاہی کفر کی نقشے میں پھینک دی
تُو وہ حسین شام ہے جس کے فریب میں
قدرت نے روشنی بھی اندھیرے میں پھینک دی
حیران ہوں میں آج بھی اپنے نصاب سے
کس نے کتاب عشق بستے میں پھینک دی
خواہش تو بے کنار تھی لیکن میری حدود!
میں نے فقیری یار کے رستے میں پھینک دی
کیا بادِ بے حجاب چلی اب کے شہر میں
شوخی کھلے گلاب کی رستے میں پھینک دی
پہلے انا کو ذاتِ کا حصہ کیا، مگر
چٹان توڑ کر سجدے میں پھینک دی

ثاقب زیروی

شورشِ زہد بپا ہے میں کہاں آ نکلا
ہر طرف مکر و ریا ہے میں کہاں آ نکلا
نہ محبت میں حلاوت نہ عداوت میں خلوص
نہ تو ظلمت نہ ضیا ہے میں کہاں آ نکلا
چشمِ خود بیں میں نہاں حرص زر و گوہر کی
کذب کے لب پہ دُعا ہے میں کہاں آ نکلا
راستی لحظہ بہ لحظہ ہے رواں سوئے دروغ
صدق پابند جفا ہے میں کہاں آ نکلا
دن دہاڑے ہی دوکانوں پہ خدا بکتا ہے
نہ حجاب اور نہ حیا ہے میں کہاں آ نکلا
یاں لیا جاتا ہے بالجبر عقیدت کا خراج
کیسی بے درد فضا ہے میں کہاں آ نکلا
خنداں زن سفلگی ہے اسکی ہر سلوٹ میں
یہ جو سر سبز قبا ہے میں کہاں آ نکلا
دلنوازی کی ہواؤں کے پھریروں کے تلے
جانے کیا رینگ رہا ہے میں کہاں آ نکلا
عجز سے کِھلتی سمٹتی ہوئی باچھوں پہ نہ جا
ان کے سینوں میں دغا ہے میں کہاں آ نکلا
یہ ہے مجبور مریدوں کی ارادت کا خمار
یہ جو آنکھوں میں جلا ہے میں کہاں آ نکلا
قلب مومن پہ سیاہی کی تہیں اتنی دبیز
ناطقہ سہم گیا ہے میں کہاں آ نکلا
الغرض یہ وہ تماشا ہے جہاں خوف خدا
چوکڑی بھول گیا ہے میں کہاں آ نکلا

فرحت عباس شاہ

لاکھ دوری ہو عہد نبھاتے رہنا
جب بھی بارش ہو مرا سوگ مناتے رہنا
تم گئے ہو سر شام یہ عادت ٹھہری
بس کنارے پہ کھڑے ہاتھ ہلاتے رہنا
جانے اس دل پہ یہ آداب کہاں سے آئے
اس کی راہوں میں نگاہیں بچھاتے رہنا
اک مدت سے معمول ہوا ہے اب تو
آپ ہی روٹھنا اور آپ مناتے رہنا

تم کو معلوم ہے فرحت کہ یہ پاگل پن ہے
دور جاتے ہوئے لوگوں کو بلاتے رہنا

منیر نیازی

بیٹھ جاتا ہے وہ محفل میں آ کے سامنے
میں ہی بس ہو تا ہوں اس کی اس ادا کے سامنے
تیز تھی اتنی کہ سارا شہر سُونا کر گئی!
دیر تک بیٹھا رہا میں اس ہوا کے سامنے
رات اک اُجڑے مکاں پہ جاکے جب آواز دی
گونج اُٹھے بام و در میری صدا کے سامنے
وہ رنگیلا ہاتھ میرے دل پہ اور اس کی مہک
شمعِ دل بجھ سی گئی رنگ حنا کے سامنے
میں تو اس کو دیکھتے ہی پتھر ہو گیا
بات تک منہ سے نہ نکلی بے وفا کے سامنے
یاد بھی ہیں اے منیر اس شام کی تنہائیاں
ایک میداں، اک درخت اور تو خدا کے سامنے

ناصر کاظمی

نیت شوق بھر نہ جائے کہیں
تو بھی دل سے اُتر نہ جائے کہیں
آج دیکھا ہے تجھ کو دیر کے بعد
آج کا دن گزر نہ جائے کہیں
نہ ملا کر اداس لوگوں سے
حسن تیرا بکھر نہ جائے کہیں
جی جلاتا ہوں اور سوچتا ہوں
رائیگاں یہ ہنر نہ جائے کہیں
آرزو ہے کہ تو یہاں آئے
اور پھر عمر بھر نہ جائے کہیں
آؤ کچھ دیر رو ہی لیں ناصر
پھر یہ دریا اُتر نہ جائے کہیں
سحر قریب ہے اور یہ سرائے فانی ہے
کہو مسافرو کوئی اگر کہانی ہے

مرا سخن ہے ابد سے ازل کی ہم سخنی
مرا وجود ، گروہی کی ایک بانی ہے
ہماری کشتی میں سوراخ ہو چکے دوست
یہی نہیں کہ بہت بے لحاظ پانی ہے
کڑے ہیں سارے ہی موسم جو دشت غربت ہو
سر چمن کوئی رُت ہو وہی سہانی ہے
یہی ہنر ہے میر ا سُن مری غزل غافل
زباں زمیں کی ہے لہجہ آسمانی ہے
جمیل تھی مرے قد سے بھی وہ بہت اونچی
کہا گیا مجھے دیوار وہ گرانی ہے

ضیاء اللہ مبشّر

نہاں کو وہ عیاں کردے نشاں کو بے نشاں کردے
اگر چاہے تو حرفِ کُن سے ذرّے کو جہاں کردے
وہ جب چاہے ستاروں کو پرَو دے کہکشاؤں میں
وہ جب چاہے تہ و بالازمین و آسمان کر دے
کبھی وہ زیر کر ڈالے ابابیلوں سے دشمن کو
کبھی مکڑی کے جالے کو پیاروں کی اماں کردے
کبھی شق القمر دلبر کی انگلی کے اشارے پر
کبھی اک مشت بھر مٹی عدو پر امتحاں کر دے
کبھی جعفر کے بکروٹے سے لشکر کی شکم سیری
کبھی اک دودھ کا پیالہ ہریرہؓ کو نشاں کردے
کبھی پانی کی موجوں میں بہا دے کبرِ فرعونی
کبھی پانی کی موجوں کو وہ موسیٰ کی اماں کر دے
کبھی وہ پتھروں کو چیر کر پانی بہا ڈالے
کبھی اک دم میں ان کو آتشِ سیلِ رواں کر دے
کبھی مچھلی میں یونس کو، کبھی سولی پہ عیسیٰ کو
کبھی آتش میں ابراہیم کو زندہ نشاں کردے
کبھی عاد و ثمود و لوط کی قومیں مٹادے
کبھی وہ نوح کی کشتی کو دنیا کی اماں کردے
کبھی اپنے مسیحا کو نشاں دے رحمتوں والا
کبھی لیکھو کا گھر اس کے لئے ماتم کناں کردے
کبھی طاہر کے گریہ سے کرے فرعون کے ٹکڑے

کبھی مسرور کے ہاتھوں زمانے کی عناں کردے
اسی کی نگہ خوشنودی امر کر دے مقدر کو
اسی کا غیظ سلطانوں کو گردِ کارواں کردے
سبھی پھل پھول گلشن کے اسی کے حسن کی خوشبو
وہی ایک بیج سے اک بیج تک فصلِ رواں کردے
وہی گنجِ گراں مایہ ہے ہم کو جان سے پیارا
اسی دلدار پہ نظرِ متاعِ کل جہاں کردے
وہ نچلے آسماں پر ہے سحر سے اک پہر پہل
اُٹھو! شاید یہی لمحہ اَمر تیری فغاں کردے
میرے مولا تیری چاہت چھپے گی کب تلک دل میں
اُٹھا دے قدغنیں اب تو مجھے اذنِ اذاں کردے
بہت آلام جھیلے ہیں تیری راہ کے اسیروں نے
اب ان پیاروں پہ اپنی رحمتوں کا سائباں کردے
شہیدوں کے لہو سے جو وفا کے دیپ روشن
تو ان جلتے چراغوں کو ضیا پاشِ زماں کردے
تمہارے نام پر دل کو ملے جو زخم غیروں سے
انہی زخموں کو میرے واسطے آرامِ جاں کردے
درِ امید پر بیٹھا ہوں تیرا منتظر کب سے
نوید وصل کے مجھ کو اشارے مہر باں کر دے

عامر امیر

ہو کہ جل تھل سراب سے گزرا
رات میں تیرے خواب سے گزرا
عشق کیسے کرو گے؟ پوچھا تو
کیسے کیسے جواب سے گزرا
وقت تیرے بنا بھی مشکل تھا
ساتھ بھی اضطراب سے گزرا
داد میرے کلام کو ہی ملی
ذکر تیرا خطاب سے گزرا
کر کے اُس شام اک عجیب گناہ
لگ رہا تھا ثواب سے گزرا
میرا دامن نہ چھوڑتا مگر
میں جھٹک کر شباب سے گزرا
روشنی آتی رہی چھَن چھَن کر
نور چھُپ کر حجاب سے گزرا
کس نے اِس دل پہ آ کے دستک دی؟
کون خانہ خراب سے گزرا؟
پوچھنے سے بھلا ہے مت پوچھو
کیسا عالم شباب سے گزرا
مجھ کو پھر دے گیا خبر تیری
ایک جھونکا گلاب سے گزرا
ہو کہ جل تھل سراب سے گزرا
رات میں تیرے خواب سے گزر

ڈاکٹر رضیہ اسمٰعیل صاحبہ

اے کاش سرِ صحرا اِک پھول کھلا ہوتا
اس پھول کے پہلو میں اک دیپ جلا ہوتا
کچھ غم تو اندھیروں کا جھونکوں پہ کھلا ہو تا
اے کاش ہواؤں کے ہاتھوں میں دیا ہوتا
راتوں کا اندھیرا ہے،تنہائی ہے اور میں ہوں
ایسے میں کوئی جگنو پہلو سے لگا ہوتا
گھر ڈھونڈنے نکلے تھے ویرانے میں آپہنچے
اے کاش کہ رستوں میں ترا نام لکھا ہوتا
ہے جال اندھیروں کا جاؤں تو کدھر جاؤں
رستے میں ترے گھر کے اک دیپ جلا ہوتا
تو اور کہیں پر ہے میں اور کہیں پر ہوں
میں تجھ کو ملی ہوتی تو مجھ کو ملا ہوتا

محبت

عاصی صحرائی

”محبت ابروئے خمدار بھی ہے“
یہ نازک ہے مگر تلوار بھی ہے
اسی سے ظلمتوں میں روشنی ہے
اسی سے خلوتوں میں یار بھی ہے
نہیں آسان اتنا راستہ یہ
کہ منزل اسکی سوئے دار بھی ہے
یہ کھو جائے، تو ہے گرداب دنیا

یہ مل جائے تو بیڑہ پار بھی ہے
اتنی اندھی ہوتی ہے لگن میں
کچے گھڑے پر کرتی اعتبار بھی ہے
چھڑواتی ہے تخت و تاج شاہ سے
عزت بیگ کو بناتی کمہار بھی ہے
کبھی دکھاتی ہے سپنے سہانے
کبھی کرتی رسوائی سر بازار بھی ہے
کبھی بناتی ہے دیدو رانجھا
کبھی کھدواتی نہر شیر دار بھی ہے
رُلاتی ہے اپنے پیچھے در بدر
کرواتی سگ لیلیٰ سے پیار بھی ہے
تلاش یار میں ہوتی ہے صحرا نورد
جان دیتی سرے ریگزار بھی ہے
محبت بناتی ہے یادوں کا تاج محل
جو اک عظیم شاہکار بھی ہے
محبت ہے بہت بدنام لیکن
نہ بھولو ، سنت ابرار بھی ہے
گر مل جائے محبت پروردگار
بناتی یہ دو عالم کا سردار بھی ہے

انورندیم علوی

سارے شہر نے پتھر مارے جسم تھا چکنا چور ترا
پھر بھی لب پر حق کا نعرہ کیا کہنا منصور ترا
بستی بستی نگری نگری گیت ہمارے گو نجے تھے
سازِ وفا اور چاندنی راتیں من بھی تھا مسحور ترا
آج وفا کے ویرانے میں پیاسی ہرنی جاں سے گئی
سورج بن گیا آنکھ اجل کی شعلہ بن گیا نور ترا
دریا دریا من ہے تیرا صحرا صحرا نین ترے
اِک پل کا بنجارا ہے تُو سفر ہے کتنا دور ترا
کڑی دھوپ میں کیوں آئے ہو پہلے کیوں نہیں آئے ایاز
نیم کا بُور بھی جھڑ گیا اب تو من بھی ہوا مجبور ترا

محمد اسحٰق

ہجرت فرض

امیر شہر تک یارو جہاں بدنام ہو جائے
فقیہ شہر کے بارے شکایت عام ہو جائے
غریب شہر کی ہمت جہاں ناکام ہو جائے
جہاں فتویٰ فروشی محکمانہ کام ہوجائے
جہاں سچ بات کرنا باعث الزام ہو جائے
جہاں حق کو چھپانا باعثِ اکرام ہو جائے
جہاں خوفِ خدا تک اک خیالِ خام ہو جائے
جہاں رسوائی ممبر تک لکھا پیغام ہو جائے
جہاں پر خیرو شر تک اک شخص میں ہم نام ہو جائے
جہاں پر گھر کی درو دیوار عمداً ازبام ہو جائے
جہاں پر چور ڈاکو رہبرِ اسلام ہو جائے
جہاں پر غاصب و غماز میں افہام ہو جائے
جہاں پر راستی و وہم کا ادغام ہو جائے
جہاں پر مولوی کا نام اک دشنام ہو جائے
جہاں پر درسِ آخر صبر ہی جب عام ہو جائے
تو عارف لوگ کہتے ہیں یہی موسم ہے ہجرت کا
خاموشی سے دعا کرکے وطن کو چھوڑ دینا تم
یہی حالات ہیں جن میں ہجرت فرض ہوتی ہے۔

انجم شہزاد لندن

تیری جدائی کا غم ہم کو جاں سے مار گیا
تو اپنی یاد کا خنجر کہاں اتار گیا
جہاں پہ چھوڑ گئے تھے وہیں کھڑا ہوں ابھی
وگرنہ قافلہ سارا تو کب کا پار گیا
نکل سکا نہ میں طوفاں کے تھپیڑوں سے
مجھے تو غم کے سمندر میں یوں اتار گیا
نہ آہیں تھیں نہ دستک نہ صدا کوئی
مگر لگا مجھے ایسے کہ تو پکار گیا
بتا دیا مجھے آخر کہ تو وہ نہیں میرا
میری نظر سے بھی صدیوں کا انتظار گیا
بس ایک تم نے میرے ساتھ بے وفائی کی
اور میرا سارے زمانے سے اعتبار گیا
کسے میں اپنا کہوں تو ہوا نہ جب میرا
لگا ہے یوں کہ زمانے سے سارا پیار گیا

نزہت انجم

جام ایسا تیری آنکھوں سے عطا ہوجائے
ہوش موجود رہے اور نشہ ہو جائے
اس طرح میری طرف میرا مسیحا دیکھے
درد دل ہی میں رہے اور دَوا ہوجائے
زندگانی کو ملے کوئی ہنر ایسا بھی
سب میں موجود بھی ہو اور فنا ہو جائے
معجزہ کاش دکھا دیں یہ نگاہیں میری
لفظ محفوظ رہے بات ادا ہوجائے
اس طرح جرم کے احساس کو بیدار کرو
جسم آزاد رہے اور سزا ہو جائے
اس کو میں دیکھوں تو اس طرح سے دیکھوں نزہتؔ
شرم آنکھوں میں رہے اور خطا ہو جائے

حیدر طباطبائی لندن. آدم چغتائی کی نئی کتاب

"جستجوئے جمال"

اوران کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے محترم حیدر طباطبائی رقم طراز ہیں حسن گل سے جمالیات کی حامل اردو غزل کو اس کے آداب کے مطابق برتنا، سمجھنا، اور طریقے سے بناؤ سنگھار کرکے دو مصروں میں ڈھالنا بہت مشکل کام ہے۔ غزل کے نازک آبگینے فقط دیکھنے میں بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ ان کو تشکیل دینا سخت مشکل ہے۔ غزل کے آہنگ کو زمان ومکان کی روش میں نبھانا یا غزل کو زمان ومکان کی قید سے آزاد کرنا اور اس انداز سے کہ اس کی ہیئت برقرار رہے۔ یعنی جام و مینا تبدیل نہ ہو اور شراب بدل دی جائے، اور بھی مشکل کام ہے۔ غزل گوئی استعاروں کی ندرت، الفاظ کی تازگی کے ساتھ پیکر تراشی اور بات کا رُخ زلف ورُخ سے موڑ کر عصری آگہی کے حقائق کو سمو دینا ہے۔ اور یہی وہ دوراہا ہے جو غزلچی اور غزل گو میں امتیاز کرتا ہے۔ اس ضمن میں بر منگھم میں مقیم. آدم چغتائی کی شاعری میں آدابِ غزل ملتے ہیں ان کی شاعری میں ایک ایسی شاخ نبات ہے جسے چھونے سے ہاتھوں کو شاخِ گل اور آنکھوں کو کنول میں ڈھلنے کی ضرورت ہے۔. آدم چغتائی کی غزلوں میں اک نئی رُت کا احساس ہوتا ہے۔ ان کے شعر میں شبنم آلود تازگی کا احساس ہوتا ہے وہ اپنے محسوسات کی عکاسی انوکھے اور لطیف انداز میں کرتے ہیں ان کے کلام میں نئے موسموں کی ندا سنائی دیتی ہے درج ذیل اشعار کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آدم چغتائی کو غزل پر بہت قدرت حاصل ہے

سبو اُٹھائیں کہ گلستاں کو لالہ زار کریں
نگاہِ ناز سے گلشن کو پُرخمار کریں

آدم چغتائی یورپ میں شعراء کے اژدہام میں اپنی خصوصیات کی بنا پر اہل نظر کو متوجہ کرتے ہیں وہ فقط صنفِ غزل پر ہی نہیں بلکہ قطعات رباعی، حمد، نعت، اور دیگر اصناف میں بھی طبع آزمائی کرتے رہتے ہیں موصوف نے مغربی اور مشرقی ادبیات کے سرچشموں سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ ان کے کلام میں فرسودگی اور ببوست کے عناصر نظر نہیں آتے۔ اپنی ذہانت اور اپج سے آدم چغتائی نے اپنے کلام میں ایک نوع کی تازگی پیدا کی ہے۔ جس میں تقلید اور تتبع کی بجائے ان کے جوہر ذاتی کا اظہار رہا ہے۔ ان کی چلن اس عہدِ کج مدار میں آداب رسمِ عاشقی نبھانے کا ہے۔ وہ اندازِ عشق کے شرعی پہلوؤں محلق ہیں حمدِ باری تعالیٰ میں فرماتے ہیں۔

ہے کرن کرن میں تری ضیاء، تری عرش بقعہء نور ہے
تہِ خاک سے سرِ آسماں تری شانِ کُن کا ظہور ہے

آدم چغتائی نے اپنی شاعری کا جب آغاز کیا تو وہ دور غالباً شاعری میں معاشرے کی قدیم روایات سے بغاوت کا دور تھا۔ لاہور میں حلقہ اربابِ ذوق نے نقیب ارنش کا کام کیا تھا۔ میراجیؔ، راشدؔ، اور فیضؔ کی شاعری نے بڑی بڑی قدیم عمارتوں کو ملبے میں تبدیل کر دیا تھا۔ ہر چند کہ آدم چغتائی کبھی کسی گروہ یا انجمن سے منسلک نہیں رہے اور قدیم وجدید کا امتزاج ان کا اسلوب شاعری ہے۔ لیکن اعلیٰ اور نیک خیالات کے ساتھ تخلیق میں ندرت کا ملکہ ان کو بہت ہے۔ وہ غزل میں فنی باریکیوں پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ ان کا کلام خشک نہیں ہے۔ بلکہ ان کی شاعری میں روح پرور آہنگ، تازگی اور تاثیر ہے کہیں کہیں پر ان کے کلام میں تصوف کی چاشنی ملتی ہے یہ سرزمین پنجاب کی زرخیز مٹی کا اثر ہے۔ دنیائے اردو ادب میں اذیت ناک ناقدری کے باوجود وہ گوشہ تنہائی میں یادِ خدا کی طرح شاعری کر رہے ہیں۔ خاص کر یورپ میں اس شب نما خرابے میں آدم چغتائی کا دم بڑا غنیمت ہے۔

خواب آنکھوں میں ٹوٹ جاتے ہیں سہیل احمد لون کی شاعری۔

جناب عابد حسین عابد سیکٹری جنرل انجمن ترقی پسند مصنفین پیجاب لاہور سہیل احمد کی کتاب "خواب آنکھوں میں ٹوٹ جاتے ہیں" کے متعلق رقم طراز ہیں کہ:۔ "جس طرح بارود، دھواں، دھماکے، اور قتل وغارت وادیء کشمیر کے حسن کو متاثر نہ کر سکے۔ اسی طرح کشمیری النسل سہیل احمد کے احساسات، جذبات کی خوب صورتی یورپ کی آسودہ زندگی کے اثرات سے محفوظ ہے۔ وہ معاشرے میں خوبصورتی کا متلاشی ہے۔ جسے اس کتاب کی بنیادی اکائی قرار دیا جا سکتا ہے۔ انسان کو دُکھی نہ دیکھ سکنے والا یہ شاعر، خونی رشتوں کی مانند پڑتی ہوئی کشش پر بھی رنجیدہ ہے۔ اس کی شعری کائنات، یادیں، محرومیاں، دُکھ، وطن سے محبت اور دوری کے احساس پر مشتمل ہے۔ ہم اس بات کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ آسمانوں، خلاؤں، یا اَن دیکھی دنیاؤں کی

دریافت سہیل احمد کا مطمح نظر نہیں۔وہ جس زمین کا باشندہ ہے وہ اسی کو خوبصورت بنانے کے خواب دیکھتا ہے ایک زندہ شخص کی آنکھوں میں خواب ٹوٹ تو ضرور سکتا ہے مگر اس کا زندہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ٹوٹے خواب کو جوڑ کر ایک نیا خواب تشکیل دینے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے۔دراصل سہیل احمد کی شاعری اور نثر پارے ٹوٹے خواب کو جوڑنے کی کوشش ہے۔جسے اس نے متاثر کن بیانیے کے ساتھ بڑی ہنرمندی سے بیان کیا ہے"۔عابد حسین عابد سیکٹری جنرل انجمن ترقی پسند مصنفین پنجاب لاہور۔

لطیف بھی دلچسپ بھی۔

رونا دلیل نہیں

حضرت امام شافعیؒ لکھتے ہیں کہ ایک دن ایک مشہور فقیہ قاضی 'شریح بن حارثؓ کوفی کے ہاں کوئی گیا۔وہاں کوئی عورت اپنے خاوند کی شکایت لے کر آئی۔اور زاروقطار رو رہی تھی۔میں نے کہا کہ قاضی صاحب یہ بہت مظلوم معلوم ہوتی ہے۔پوچھا! کوئی دلیل؟ میں نے کہا کہ اس کا رونا! فرمایا۔"یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی شام کو روتے ہوئے گھر آئے تھے"۔

دوزخ کا دربان

حضرت شفیق بلخیؒ ایک بار حج کو جا رہے تھے راستے میں بغداد پر پڑاؤ کیا۔ہارون الرشید عباسی کا دور تھا۔اسے آپ کے ورود بغداد کا علم ہوا۔تو سلام بھجوایا اور دعوت دی۔حضرت شفیق بلخی تشریف لے گئے تو ہارون الرشید نے کوئی نصیحت کرنے کی گزارش کی۔تو ارشاد فرمایا۔"میرے رب نے تجھے دوزخ کا دربان مقرر کر کے تین چیزیں عطا کی ہیں۔مال و دولت اور تازیانہ۔ان سے کام لے اور لوگوں کو دوزخ سے بچا۔مال و دولت سے حاجتمندوں کی حاجت روائی کر۔تلوار سے انصاف کر اور قاتلوں سے قصاص لے اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے نافرمانی کرنے والوں پر کوڑے برسا۔ورنہ یاد رکھ کہ تجھے دوزخ کا سردار بنا دیا جائے گا۔

نجومی خاتون

ایک لڑکی کسی گاؤں کی نجومی خاتون کو اپنا ہاتھ دکھا رہی تھی۔۔اور اسے کہہ رہی تھی۔تم ایک طویل القامت شخص سے محبت کرتی ہو۔

جس کے پاس سرخ رنگ کی سپورٹس کار ہے۔لڑکی نے دریافت کیا۔کیا تم یہ باتیں میرا ہاتھ دیکھ کر بتا رہی ہو۔نجومی خاتون نے جواب دیا"میں تمہاری منگنی کی انگوٹھی کو دیکھ کر بتا رہی ہوں کیونکہ یہی انگوٹھی اُسے میں نے پچھلے ہفتے واپس کی ہے"

۔جہنم کا نظارہ

پادری کی بیوی اپنی بیٹی سے۔آخر تم کولن سے شادی کیوں نہیں کرنا چاہتی؟ بیٹی۔۔امی جان۔کولن دہریہ ہے۔وہ جہنم پر یقین نہیں رکھتا۔ماں۔یہ تو کوئی بات نہ ہوئی تم اس سے شادی کر لو۔ہم دونوں ملکر اسے جلد ہی جہنم کا نظارہ کرا دیں گی۔

حفظ ما تقدم۔ایک خاتون نے ماہر نفسیات کو بڑے غمزدہ لہجے میں بتایا"میں نے اپنے شوہر سے پوچھا کہ اگر میں اور آپ کی والدہ ایک ساتھ ڈوب رہی ہوں۔تو آپ کسے بچائیں گے؟انہوں نے جواب دیا والدہ کو۔ظاہر ہے کہ والدہ کا حق زیادہ بنتا ہے۔اب آپ ہی بتایئے مجھے اس صورت حال میں کیا کرنا چاہیئے"۔آپ کو فوراً تیراکی سیکھ لینی چاہیئے۔ماہر نفسیات نے اطمینان سے جواب دیا۔

جو نہیں جانتا۔جو نہیں جانتا اور وہ نہیں جانتا کہ وہ نہیں جانتا، وہ بے وقوف ہے اس سے بچو! جو جانتا ہے اور وہ نہیں جانتا ہے کہ وہ جانتا ہے، وہ سویا ہوا ہے، اس کو جگاؤ

جو جانتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ وہ جانتا ہے وہ عقلمند ہے اس کے پیچھے چلو!

پانچ چیزیں

ا۔علم۔بھوک اور سفر کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور لوگ اسے شکم پروری میں تلاش کرتے ہیں۔۲۔بلندی۔تواضع اور انکساری سے حاصل ہوتی ہے مگر لوگ اسے غرور میں تلاش کرتے ہیں۔۳۔ عزت۔شب بیداری اور پرہیز گاری سے ملتی ہے مگر لوگ اسے سلاطین کے دربار میں تلاش کرتے ہیں۔۴۔راحت۔جنت میں ہے مگر لوگ اسے دنیا میں تلاش کرتے ہیں۔جستہ جستہ

زندگی۔ہماری زندگی پانی کے ایک بلبلے کی مانند ہے۔خوشی، راحت، چین اور سکون کا حصول امیری اور غریبی پر نہیں بلکہ یہ سب انسان کے دل و دماغ پر منحصر ہوتا ہے۔ایک شخص کو فکر ہے کہ وہ نئے ماڈل کی کار نہیں خرید سکتا۔تو دوسرا شخص اس بات پر پھولا نہیں سماتا کہ اس کم پاؤں کا درد دور ہو گیا ہے۔اسی طرح جہاں ایک طرف انسان چکن روسٹ اور ہزار قسم کے اعلیٰ اعلیٰ کھانے کھا کر خوشی محسوس نہیں کرتا تو دوسری طرف ایک انسان روکھی سوکھی باسی روٹی پانی میں بھگو کر کھانے کے بعد خوشی سے اچھلتا کودتا ہے۔کسی گھر میں خوشیوں کے شادیانے بجتے ہیں تو ساتھ والے گھر میں اپنے پیارے کے بچھڑنے پر صف ماتم بچھی ہوتی ہو۔کوئی شخص موت کو قہقہے لگا کر گلے لگاتا ہے تو کوئی پھولوں کی سیج پر بھی بے چین سوتا ہے۔اب یہ دیوانگی، پاگل پن، اور زندگی سے بیزاری نہیں تو اور کیا ہے۔کہ ہم اس مختصر زندگی کو خوشیوں کا گلدستہ بنانے کی بجائے غم،، دکھ، رنج والم کا گھروندہ بنا لیتے ہیں۔ہمیں چاہیئے کہ ہم زندگی کو تاریکی اور خوف کا غار نہ بنائیں۔بلکہ خوشیوں اور خوشبوؤں کی پھلجڑیاں بنائیں۔کہ قوس وقزح کی مانند اپنے رنگ بکھیرتی جائیں۔کیونکہ زندگی ہر رنگ میں خوب صورت ہے۔ہم نہ خود روئیں اور نہ اوروں کو رلائیں بلکہ اس مختصری زندگی میں صرف اور صرف مسکراہٹیں بکھیریں۔کیونکہ زندگی کا اصل مزا روتے ہوؤں کو ہنسانے میں ہے۔آؤ ہم سب زندگی کے ہر لمحے سے پیار کریں۔

تلقین۔ایک جگہ بم پھٹ گیا اور ایک سکھ کا بازو کٹ گیا۔جس پر وہ درد سے چیخنے لگا۔تو دوسرا سکھ بولا۔"صبر کر یار صبر کر! کیوں اتنا چلا رہا ہے؟۔"وہ دیکھ سامنے ایک آدمی کی گردن کٹ چکی ہے مگر وہ تو باالکل خاموش ہے"۔

دوستی ایک انمول رشتہ۔لوگ کہتے ہیں۔کہ کوئی بھی رشتہ بدن پر پہنے ہوئے کپڑے کی مانند ہوتا ہے،جسے کسی بھی وقت تبدیل کیا جا سکتا ہے۔لیکن کئی رشتے شریانوں میں بہنے والے خون کی طرح ہوتے ہیں۔جن کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔جان سے وابستہ انہی رشتوں میں سے ایک رشتہ ہے دوستی کا۔میری اور تمہاری دوستی کا۔دوستی ایک پھول کی مانند ہے جو اپنی خوشبو چاروں طرف بکھیر دیتا ہے۔ایک مددگار کی طرح ہے جب بھی ضرورت پڑی کام آئے۔دوستی ایک مکمل دنیا ہے۔سال کے سال گزر جاتے ہیں مگر دوستی قائم ودائم رہتی ہے۔دوستی سمندر ہے،کنارا ہے،دنیا میں جینے کا سہارا ہے،دوستی ایک ایسے بلند پہاڑ کی مانند ہے۔جسے بڑے سے بڑا طوفان بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتا۔بلکہ اس سے ٹکرانے سے خود ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔لیکن اگر دوستی کے اس بلند پہاڑ کو کہیں سے شک کا معمولی کنکر لگ جائے تو یہ پہاڑ،ریت کے اس ٹیلے کی مانند ہو جاتا ہے۔جس میں ہوا کے ساتھ مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رہتی۔اور وہ آہستہ آہستہ ختم ہو جاتا ہے۔کیونکہ شک کا کنکر اعتماد کی جگہ لے لیتا ہے۔

وزن۔وزن ایک ایسا لفظ ہے جس کا اپنا بھی کافی وزن ہے ہر چیز کا کچھ وزن ہوتا ہے۔اور اس کے وزن کے مطابق اس کی قیمت یا اہمیت ہوتی ہے جس انسان کو جھوٹ کی عادت ہو اس کی کسی بات میں کوئی وزن نہیں ہوتا بہر حال ہر چیز کا کچھ وزن ہوتا ہے کہتے ہیں کہ خلاء میں ایک ایسا علاقہ آتا ہے کہ جہاں انسان بے وزن ہو جاتا ہے۔مگر عجیب ہے کہ انسان خلاء میں جانے سے قبل ہی اتنا بے وزن ہو چکا ہے کہ اس پر کوئی اعتبار ہی نہیں۔اور اگر اب خلاء پر گیا تو پھر کیا ہوگا۔بعض لوگ تو بہت وزنی ہوتے ہیں خصوصاََ جو کافی وزن کی خوراک ہر وقت کھاتے رہتے ہیں۔بعض لوگ اتنے ہلکے یا بے وزن ہوتے ہیں کہ بات بات پر جھگڑ پڑتے ہیں۔اکثر شاعر لوگ ردیف اور قافیے کے وزن کا بہت خیال رکھتے ہیں اور اپنا بھی۔اب وزن کا وزن بدل چکا ہے۔بات کا وزن،شعر کا وزن،کردار کا وزن اشیاء کا وزن،انسان کا وزن،اعمال کا وزن،وزن کرنا وزن بڑھانا وزن کم کرنا،وزن تولنا یہ سب مختلف وزن کے کردار ہیں۔

دوسروں کی خوشیاں اپنے دامن میں سمیٹ کر یہ مت بھولیں کہ آج آپ جس عمارت کی بنیاد چوری کی اینٹ سے رکھ رہے ہیں وہ کبھی نہ کبھی ضرور گرے گی۔کسی اور کے نہیں آپ کے اپنے اوپر۔دریا اور زندگی دونوں پر بند باندھنا پڑھتا ہے۔تا کہ وہ ضائع ہونے سے بچ جائیں دریا پر مٹی کا بند اور پیکر خاکی کو ضبط کا بند درکار ہوتا ہے۔

سہیل احمد لون کی کتاب "جلاوطن" سے تجزیاتی نسخے قابل غور

۱۔عمران خان کرکٹ میں ثابت کر چکا ہے کہ وہ غیر معروف کھلاڑیوں کو اٹھا کر دنوں میں سپر سٹار بنا دیتا تھا وہی بصارت اور پرکھنے والی آنکلک سیاسی میدان میں بھی استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔۲۔الیکشن میں ہر سیٹ پر عمران خان خود تو کھڑا نہیں ہو سکتا تو اس کے لئے اسے عوام کو اپنی ٹیم کا تعارف کروانا بہت ضروری ہے۔۳۔اس کے سیاسی مخالفین نے یہ تک کہہ دیا کہ عمران خان کو عوام چندہ تو دے سکتے ہیں مگر ووٹ نہیں تو عوام سے ووٹ لینے کے لئے عمران کو اپنی پارٹی مزید منظم اور وسیع کرنا پڑے گی۔۴۔اکیلا آفتاب یا مہتاب تو پوری دنیا کو منور کر سکتے ہیں مگر انسان کو کچھ کرنے کے لئے دوسرے انسانوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔۵۔مکمل بیداری کے لیے جس قیادت کی ضرورت ہوتی ہے گہری نیند سے بیدار ہونے والے ابھی اسے تلاش کر رہے ہیں۔ ۶۔اگر ۳۱۳ مضبوط ایمان والے ہزاروں کے لشکر پر قابو پا کر فتح کر سکتے ہیں تو کیا ۱۸ کروڑ میں کیا ۳۱۳ بھی مضبوط کردار اور ایمان والے نہیں جو اس ملک کو مزید ٹکڑے ہونے سے بچائیں۔اور اسے صحیح سمت میں ڈال کر خوشحالی کی شاہراہ پر گامزن کریں۔ ۷۔جو ذات پات،رنگ ونسل،زبان،فرقہ،دولت،شہرت سب کو بالائے طاق رکھ کر صرف اور صرف مخلص پاکستانی بن کر سوچیں تو ہم صرف ایٹمی طاقت نہیں رہیں گے بلکہ قوم کا ہر فرد ایٹم بم ہوگا۔

زیر نظر انور ندیم علوی کی کتاب

اے نسیم سحر جا کر ان کو بتا ....سے ایک اقتباس

اپنے مقصد حیات سے سچی لگن اور محبت والے لوگ ہمیشہ سدا بہار پھولوں کی طرح مہکتے رہتے ہیں زندگی کا آب حیات موت کے پیالے سے قطرہ قطرہ کشید ہو کر ملتا ہے۔جو اس زہر آب کو سقراطی وجدان سے پی گیا ہمیشہ کے لئے امر ہو گیا۔دنیا کی کوئی طاقت اس کو صفحۂ ہستی سے نہیں مٹا سکتی اپنے مقصدِ حیات سے سچی لگن اور سچی محبت وہ جذبہ جرات عطا کرتی ہے جو انسان کو بڑی سے بڑی قربانی کے لئے ہر دم تیار رکھتی ہے۔حضرت بلال حبشیؓ نے اپنے آقا اور دو جہانوں کے سردار کی غلامی میں احد احد کا نعرہ بلند کیا تو دنیا کا کوئی جبر،ظالم کا کوئی بھی ظلم انہیں اپنے مقصدِ حیات اور عقیدے اے ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹا سکا۔جس قدر ان پر ظلم ہوتے وہ اس سے زیادہ شدت سے احد احد کا نعرہ مستانہ وار بلند کرتے اور ان کے جسم کا ہر ایک ذرہ یہ پیغام دیتا نظر آتا تھا۔

دیکھ میری دعا کو تو نہ آزما ہے عقیدت کا انداز باالکل جدا
پوچھتی ہے احد کی بلالی صدا جسم اور جان کب سے جدا ہو گئے

پھر چشم فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ مکہ کے ظلم کرنے والے لوگوں کے لئے بلال کے جھنڈے کے نیچے امن کی ضمانت تھی۔ہاں وہی حبشی بلالؓ جس کو ظالم مکے کی گلیوں گھسیٹا کرتے تھے۔ہاں اسی غلام بلال کو وسیع وعریض اسلامی سلطنت کے جلیل القدر کے فرمانروا اور دوسرے خلیفہ حضرت سیدنا عمر فاروق،سیدنا بلال کہہ کر بلایا کرتے تھے

اپنے مقصدِ حیات کے لئے کیا عظیم لگن تھی اور کیا عظیم رفعت نصیب ہوئی اسی حبشی غلام کو۔

مزاحیہ شاعری   زاہد فخری.....لڑکی

نہ کوٹھی کار ہے تیری نہ وی سی آر ہی نکلا
نہ انکل ہے وزیروں میں نہ کوئی یا رہی نکلا
نہ انکم ٹیکس میں کوئی سا رشتہ دار ہی نکلا
نہ جاب ہے تیرا نہ کوئی کاروبار ہی نکلا
پلازا جس کو کہتے ہیں وہ اک چھوٹا سا کھوکھا ہے
محبت کر کے بھی دیکھا محبت میں بھی دھوکا ہے

لڑکا

تجھے کشمیر سمجھا تو مگر تھرپارکر نکلا
نہ افسر ہے تمہاری ماں نہ ابو ڈاکٹر نکلا
غبار حسن کے پیچھے بیوٹی پارلر نکلا
میں نیلے لینز میں ڈوبا تو جا کر کاشغر نکلا
نہ جھمکے تیرے اصلی ہیں نہ اصلی تیرا کوکا ہے
محبت کر کے بھی دیکھا محبت میں بھی دھوکا ہے

امیر الاسلام ہاشمی

اِک سال چھوڑو ہو اِک اور مسمات کرو ہو
ہر سال یہ کیا قبلہ کرامات کرو ہو
سمجھو ہو کہاں اوروں کو تم اپنے برابر
بس منہ سے مساوات مساوات کرو ہو
کیا حسن کی دولت بھی کبھی بانٹو ہو صاحب
سننے میں تو آیا ہے کہ خیرات کرو ہو
مل جاؤں تو کرتے ہو ملنے کی شکایت
گھر آؤں تو خاطر نہ مدارات کرو ہو
ہم ذات شریف آئے ہیں اس در پر یہ سن کر
تم ہنس کر شریفوں سے ملاقات کرو ہو
اُٹھے کہاں، بیٹھے کہاں، کب آئے، گئے کب؟
بیگم کی طرح تم بھی حسابات کرو ہو

مسلسل...... عمیر ابوذری

رویا ہوں تری یاد میں دن رات مسلسل
ایسے کبھی ہوتی نہیں برسات مسلسل
کانٹے کی طرح ہوں رقیبوں کی نظر میں
رہتے ہیں مری گھات میں چھ سات مسلسل
چہرے کو نئے ڈھب سے وہ سجاتے ہیں ہر روز
بنتے ہیں مری موت کے آلات مسلسل

۲

اجلاس کا عنوان ہے اخلاص و مروت
بد خوئی میں مصروف ہیں حضرات مسلسل
ہم نے تو کوئی چیز ایجاد نہیں کی
آتے ہیں ان کے کمالات مسلسل
کرتے ہیں مساوات کی تبلیغ وہ جوں جوں
بڑھتے ہی جاتے ہیں طبقات مسلسل
ہر روز کسی شہر میں ہوتے ہیں دھماکے
رہتی ہے مرے دیس میں شب رات مسلسل
ہر روز وہ ملتے ہیں نئے روپ میں مجھ کو
پڑتے ہیں مری صحت پہ اثرات مسلسل

شعری نشست

آج مورخہ ۳۱ مارچ ۲۰۱۳ء کو ایک ادبی نشست کا اہتمام کیا گیا۔ جو کہ رمضان شائق کے دولت خانہ پر بالم میں تھا۔ جس کے نگران اعلیٰ مبارک صدیقی تھے اور منتظم رانا عبدالرزاق خاں تھے۔ صدارت کے فرائض جناب بشیر احمد خان رفیق سابق امام مسجد لندن نے کی۔ اور نظامت کے فرائض جناب عامر مجید نے سرانجام دیئے۔ شعراء میں جناب برمنگم سے آئے ہوئے شاعر مترنم جناب آدم چغتائی ،عبدالسلام ظافر، جواد، اور لندن سے مبارک صدیقی، مبارک عارف، جناب ایوب اولیاء، جنید محی الدین، جمیل نجمی، عاصی صحرائی، رمضان شائق، رانا عطاء اللہ، عامر امیر اور عبدالمجید ظفر نے اپنا کلام سنایا۔ مجلس بہت ہی لطف اندوز تھی۔ جناب صاحب صدر نے ایسی مجالس کے انعقاد پر مبارک باد دی اور خوشی کا اظہار فرمایا۔ دعا کے بعد کھانے کا انتظام تھا عاصی صحرائی